ماہنامہ

دلیلِ راہ

دسمبر 2023ء — جمادی الثانی 1445ھ

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 12 | دسمبر 2023ء | جلد 31

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

مشیر ادارت
ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز
- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین
- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ
30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ
=/450 روپے

بیرون ملک سالانہ
150 ڈالر، 80 پونڈز

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	پیر سید خضر حسین چشتی	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	7
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	9
5	حضرت ابوبکر صدیق ﷛، حیات و سیرت پر ایک نظر	ڈاکٹر علی اکبر الازہری	12
6	ہدیہ حروف	سید ریاض حسین شاہ	16
7	رپورٹ سالانہ اجتماع راولپنڈی	ڈاکٹر منظور حسین اختر	17
8	ہدیہ حروف	سید ریاض حسین شاہ	24
9	نظر بد کے اثرات اور اس کا علاج	علامہ محمد ارشد	25
10	محبت رسول ﷺ	آصف بلال آصف	28
11	محمد علی جناح کی زندگی کے آخری 60 دن	عقیل عباس جعفری	30
12	سالانہ اجتماع کے خاص خاص نکات اور جھلکیاں	ماسٹر احسان الٰہی	36
13	تبصرۂ کتاب	ڈاکٹر منظور حسین اختر	40

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 042-35838038, 0322-4301986
ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید، راولپنڈی فون: 051-4831112
E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

حمد شریف

ہر جگہ ، ہر چیز میں ہیں تیرے جلوے آشکار
دور کب مخلوق سے ہے تُو مرے پروردگار

مجھ سے گر تُو دور ہے تو پھر بتا تیرے سِوا
کون ہے مرے نہاں خانوں کی بستی میں بَسا

نُزھتِ گُل میں ، گلستاں کے جہاں میں کون ہے ؟
بُلبُلِ بے تاب کی آہ و فغاں میں کون ہے ؟

کون ہے ؟ جو میرے گُنجِ دل میں ہے جلوہ فگن
حسنِ دل افروز کے جلووں میں ہے کس کی پھبن

حُسن کے رُخ پر درخشاں تیرا رنگ و نور ہے
چشمِ عاشق کے پسِ پردہ تُو ہی مَستُور ہے

عالمِ بالا میں تُو ہے ، تُو رگِ جاں سے قریب
ماورٰی سارے حسابوں سے ہے تُو میرے حَسِیب

لا مکاں میں بھی خضر ملتا ہے گو اُس کا پتہ
ہے حقیقت میں قلوبِ موموناں عرشِ خدا

نعت شریف

ہیں نظر لیتے سبھی منظور و ناظر آپ سے
نُصرتیں پاتا ہے ہر منصور و ناصر آپ سے

ربِّ عالم سے کسی نے مانگنا ہو تو اُسے
رابطہ کرنا ہی پڑتا ہے بالآخر آپ سے

مانگنے والا جو مانگے آپ کرتے ہیں عطا
کیوں نہ مانگے آپ کا ہر ہر گدا پھر آپ سے

وہ بنا پیرِ مغان سارے زمانے کے لیے
مِل گیا جس کو بھی ہے بادۂ نادِر آپ سے

دامنِ دل کھول کر آٹھوں پہر ہیں مانگتے
کامل و اکمل ہوں یا مجبور وقاصر آپ سے

دُور سے دیکھا تو فوراً کہہ دیا اپنی طرح
دُور رہتے ہیں سدا بدبخت کافر آپ سے

آپ کو خضرِ جہاں ، خالق نے سب کچھ دے دیا
کوئی نعمت کوئی شئے رکھی نہ باہر آپ سے

پیر سید خضر حسین چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن اور کلامی مقناطیسیت

اربابِ محبت!

قرآن اور اسلام روشنیاں بکھیرتے، دلوں میں آمادگی اور قبولیت پیدا کر رہے تھے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے کریمانہ اخلاق اور نوازشوں سے لوگوں کی روحوں میں اتر رہے تھے۔ آپ جس طرف سے گزرتے پہاڑوں کی نوکیلی چٹانیں اور سنگریزے آپ پر درود و سلام بھیجتے۔ آپ کی شخصیت محبوبیت اور مقناطیسیت سے ہر ایک کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ لیکن مشرکین کب برداشت کر سکتے تھے کہ اسلام بت پرستی کے مسلک کو پاش پاش کر دے۔ ایک مرتبہ وہ سب لوگ ''دارالندوہ'' میں جمع ہوئے اور سوچا کہ اسلام کے اثر کو کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا ہمیں ایک ہی بات پر متفق ہونا چاہیے۔ ہمارے مختارات کلامی زیروزبر کا شکار نہیں ہونے چاہئیں۔ تجاویز کا تبادلہ جب شروع ہوا تو بعض نے کہا کہ قرآن کو کہانت سے تعبیر کیا جائے اور خاتم النبیین ﷺ کو کاہن کہہ دیا جائے۔ اس سے آپ کی شخصیت کا اثر ختم ہو جائے گا۔

ولید بن مغیرہ نے کہا:

''بخدا وہ کاہن نہیں'' کاہنوں کے بے ربط جملے اور بے جوڑ فقرے میں نے بار ہا سنے ہیں قرآن سے بھلا کہانت کی کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ جب بات ٹھکانے پر نہ آسکی تو بعض لوگ بولے انہیں مجنون کہہ دیا جائے۔

ولید سے پھر نہ رہا گیا اور اس نے تردیداً کہہ دیا:

تُم نے ایسی بیہودہ بات کی ہے کہ لوگ مذاق اڑائیں گے اور اس سے منکرین خفّت اٹھائیں گے

بات ابھی ادھر ہی پہنچی تھی کہ ایک التھابی رنگ کا مغرور شخص اٹھا اور کہہ دیا ''وہ شاعر ہیں شاعر'' ولید گویا ہوا:

''کیا تم شعر کی تمام اصناف سے واقف ہو؟ قرآن ایسا کلام ہے جس پر شاعری کی کسی ایک صنف کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا''۔

پسپائی کے لہجے میں کچھ لوگ اجتماعی رائے لائے بحث ختم کر دی جائے اور انہیں ''ساحر'' کہنے پر اتفاق کر لیا جائے

ولید نے کہا تم سب سمجھو گے کہ میں ہر دلیل کو توڑ دیتا ہوں لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا:

''اب تک جتنی بھی گفتگو ہوئی ہے اس میں کوئی لفظ بھی محمد ﷺ کے لائق حال نہیں ہوسکتا''

''جادوگروں کی غلیظ اور گندی زندگی مکارمِ اخلاق کے اس حسین وجمیل پیکر سے بھلا کیا نسبت رکھ سکتی ہے''

ولید محفل سے یہ کہہ کر اُٹھ گیا:

وَاِنَّ لَهُ لَحَلَاوَةً۔۔۔۔وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً۔۔۔۔وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ۔۔۔۔

وَاِنَّ اَسْفَلَهُ لَمُغْدَقٌ۔۔۔۔وَاِنَّهُ لَيَعْلُوْا۔۔۔۔وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ۔۔۔۔

بخدا اس کے کلام میں بڑی مٹھاس ہے

حلفاً کہنے لگا ہوں

''یہ کلام محفوظ ہے اور اس کا لہجہ شبنمی ہے''

اس کی شاخیں ثمر بار ہیں اور اس کی جڑیں گہری اور رس بھری ہیں اور بے شک یہ کلام غالب آجاتا ہے

اور اس پر کوئی کلام غالب نہیں آسکتا۔

ولید نے اپنے تاثرات کا رنگ محفل میں چھوڑا اور قدرے افسردہ اٹھ کر گھر چلا گیا۔ مجمع میں شور اُٹھا کہ ولید

صابی ہوگیا ہے۔

ابوجہل کہنے لگا ''ٹھہرو'' یہ مشکل میں حل کیے دیتا ہو۔۔۔''

ماتمی سی شکل بنائی اور ابوجہل ولید کے گھر جا پہنچا

ولید نے مرحبا کہتے ہوئے ابوجہل سے کہا شکل کیوں بنالی ہے؟

ابوجہل بولا! ''ماتم اور صدمے کے بغیر چارہ بھی کیا ہے آج قریش کے لوگ

گھر گھر تیرے لیے چندہ جمع کر رہے ہیں

اور کہہ رہے ہیں ''ولید بھوکا ہوگیا ہے''

اسی لیے تو اس کی رغبتوں کا مرکز محمد ﷺ ہوگئے ہیں

ولید چیخا اور قدرے مشتعل ہوکر کہنے لگا

لات اور عزّیٰ کی قسم!

''میرے جیسا رئیس محمد ﷺ کے ٹکڑوں کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا''

لیکن ابوجہل غور سے سنو کہ عقل کی بات یہی ہے کہ وہ خود دلوں میں کھبنے والی شخصیت کا مالک ہے

اور اس کا پیش کردہ کلام ''بالا و اعلیٰ'' ہے

اور ''تم لوگ سراسر غلط ہو''

بات حقیقی یہی ہے لیکن میں تمہارے ساتھ ہم زباں

ہوکر اسے ''ساحر'' مان لیتا ہوں

سامعین! غور کریں ایمان تو اسے نصیب نہ ہوا لیکن قرآن کی جو تعریف اس نے کی اس کا ایک ایک حرف آج بھی داد چاہتا ہے اور الفاظ کی برجستگی حضور ﷺ کا مقام سیرت بے حجاب کر کے آپ کی شخصیت کا ''حسن'' آشکار کر رہی ہے۔

حلاوت کیا ہے؟

عربی زبان میں الحُلو پیش کے ساتھ مٹھاس کا معنیٰ رکھتا ہے اور یہ تلخ ہونے کی ضد ہے اگر اس لفظ کو حلو فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر یہ مادہ میں مبالغہ کا معنیٰ دیتا ہے۔ یعنی میٹھا ہونا ہر حد سے ماوریٰ ہے۔ کہتے ہیں ''حلی العنین''، وہ شخص ہوتا ہے جس کی محبوبیت کو اس کی آنکھیں مدحت و مدح سے بے نیاز کر دیں اور وہ ہر دل میں کھب جائے۔ اصمعی نے لکھا کہ حلو کا معنیٰ شخصیت میں ان اسباب کا موجود ہونا ہوتا ہے جن سے کوئی شخصیت دل میں اتر جائے۔ اور نگ زیب عالمگیر اچھی تحریر کے لیے یہ لفظ لایا کرتے تھے۔ زبیدی حنفی نے لکھا کہ میٹھے پھل کو ''حلوہ'' کہہ دیتے ہیں۔ کلام میں اگر تمام محاسن موجود ہوں تو اُسے حلاوہ سے تعبیر کر دیتے ہیں ایسا کلام اور فصیح شخص جس کے محاسن کی اجرت نہ دی جا سکے ایک حدیث میں حلوان اجرت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اگر یہ حلی کے مادہ میں مخلوط ہو جائے تو پھر زیب ئی معنیٰ دے گا۔ ایک لفظ میں قرآن کی جو صفات سمجھ آئیں وہ یہ ہو سکتی ہیں:

1) کلام معجز کا بے مثال ہونا
2) کلام میں بلاغت کا اتم ہونا
3) کلام کا میٹھا ہونا
4) کلام میں حشو نہ ہونا
5) کلام کا مؤثر ہونا
6) کلام میں تصنع نہ ہونا
7) کلام کا تعریف سے بے نیاز ہونا
8) کلام میں تمام ادبی محاسن کا موجود ہونا
9) کلام میں مٹھاس اور شیرینی کا موجود ہونا
10) کلام میں زیبائی اور حسن کا پایا جانا
11) اور کلام کا ظاہری اور باطنی لحاظ سے جاذبیت رکھنا

طلاوت کیا ہے؟

طلاوت اس تازگی کو کہتے ہیں جو شبنم کے اترنے سے پھول کی پتیوں کو نصیب ہوتی ہے۔ طلال کا دوسرا معنیٰ شرف اور بلندی ہوتا ہے۔ طلّ قرآن مجید نے شبنم کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ طلا کا ایک مفہوم کشتی کے پھٹوں کو تیل وغیرہ کے ذریعہ پانی کی مار سے بچانا بھی ہوتا ہے۔ پھل کا چھلکا بھی طل ہوتا ہے۔ دانتوں پر مسواک استعمال کر کے، انہیں مضر اثرات اور کیڑے سے بچانا ''طلیٰ'' ہوگا۔ ولید بن مغیرہ اسلام اس کا مقدر نہ بن سکا لیکن وہ قرآن کے اندر معنوی صفات کو پا گیا۔ دنیاوی غرور اس کو لے بیٹھا اس کا یہ جملہ قرآن ایسا کلام ہے جس پر طلاوت ہے یہ مفہوم رکھتا ہے:

1) قرآن حکیم کے مضامین، اس کی ترکیبیں اور اس کی معنویت تازگی رکھتی ہے گویا قرآن حکیم جو کچھ بیان کرتا ہے وہ پُر بہار ہے اس کے سدا بہار لہجے دلوں میں اترتے ہیں اور ذہنوں کو مسخر کر لیتے ہیں۔
2) طلاوت لفظ میں اس طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ یہ کلام محفوظ ہے کسی بد اندیش کی سرکشی اور منفی کوشش قرآن مجید کی ظاہریت اور باطنیت کو عیب دار نہیں کر سکتی کوئی فرد یا جماعت قرآنی آیات کی شمعوں کو بجھا نہیں سکتی بلاشبہ اللہ نے اس کتاب کو محفوظ بنا دیا ہے۔

3) تیسرا اشارہ طلاوت میں یہ ہے کہ کلام خود بھی بلند ہے اور جو اس کی تعلیمات کو مشعل راہ بنالیتا ہے قرآن اس کو بھی بلندی بخشتا ہے۔

4) قرآن کا اسلوب شبنمی ہے اس لیے کہ حروف جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں کے لمس سے خوشبو پا لیتے ہیں تو صاحب کلام کا عشق اس کے اندر مخفی خشبوؤں کو آشکار کر دیتا ہے۔

5) ائمہ لغت نے لکھا کہ ''طلو'' اور ''طل'' میں معنوی مقاربت ہے۔ مادہ اگر چہ الگ الگ ہے لیکن معنویت کی گہرائی یکساں ہے۔

6) قرآن مجید اداسیوں اور غموں کے ماحول سے نکالتا ہے۔ سرور اور خوشی اپنے قاری کو عطا کرتا ہے ہلکی بارش جیسے فصلیں اگاتی ہے ایسے ہی قرآن مجید کی دعوتیں صلاحیتیں عطا کرتی ہیں۔

اظہار کا تعمق

قرآن مجید کا تعمق علام و معارف کے خزانے اپنے قاری کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ یہ ایک درخت کی مانند ہے اس کی طرف جتنے آگے بڑھو درخت کی شاخوں کی طرح یہ پھلوں کے ڈھیر لگا دیتا ہے اور اس درخت کی جڑیں گہری ہیں سدا بہار ہونے کا اعجاز رکھتی ہیں۔ اس کلام کو جہاں پڑھا جائے یہ غالب آنے کی تاریخ رکھتا ہے کوئی جتنا بھی کوشاں ہو قرآن کے معجزات کو شکست نہیں دے سکتا۔

سامعین! مسلمانوں کو قرآن مجید سے تعلق مضبوط بنانا چاہیے اور محسوس کرنا چاہیے کہ اس وقت تاریخ کے خیابانوں میں درندے چھائے ہوئے ہیں جو چھانٹ چھانٹ کر اہل محبت کا خون پی رہے ہیں اور مسلمان خود اپنے چمن کو تاراج کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

استغاثہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے ہے
تیرے پیام کی مشعل جلے تو کیسے جلے!
تیرا نظامِ مقدس چلے تو کیسے چلے
عذاب ٹوٹ پڑا ہے، ٹلے تو کیسے ٹلے
حضور!
ہزار زخموں کی ٹیسوں سے دل تپیدہ ہے
بقول نعیم صدیقی:
ستم کشیدہ ملت!!! الم رسیدہ ہے
اللہ تعالیٰ صراطِ حق پر چلنا آسان فرمائے۔

سید ریاض حسین شاہ
سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 183 تا 186 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ
حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ
قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (183) فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ
كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ
وَالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ (184) كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا
تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ
النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ
اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (185) لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَ
اَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا ؕ وَ اِنْ
تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (186)

''وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی بھی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ قربانی لائے جسے آگ کھا جائے، آپ فرمادیں! کتنے ہی رسول مجھ سے پہلے تمہارے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آئے اور وہ بھی لائے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا اگر تم سچے تھے''۔ ''تو اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی کئی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو محکم نشانیوں اور صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے، ہر جان نے موت کو چکھنا ہے اور یقیناً تمہیں قیامت کے دن اجر پورے کے پورے ملیں گے اور جو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو سامان غرور کے سوا کچھ نہیں، تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمایا جائے گا اور تم ضرور اگلے کتاب والوں اور شرک کرنے والوں کی تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم جمے رہے اور تقویٰ اختیار کیے رکھا تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے''۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (183)

''وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی بھی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ قربانی لائے جسے آگ کھا جائے، آپ فرمادیں! کتنے ہی رسول مجھ سے پہلے تمہارے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آئے اور وہ بھی لائے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں قتل کیوں کیا اگر تم سچے تھے''۔

آیت کی تفسیر میں فہم کی دو صورتیں ہیں: ایک تفسیر تو وہ ہے جو ابن کثیر اور دیگر مفسرین نے نقل کی ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں (618):

''یہود کہتے کہ آسمانی کتابیں جو پہلے نازل ہوئیں ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی رسول تم پر یہ معجزہ نہ ظاہر کرے کہ اس کی امت میں سے جو شخص قربانی کرے اس کی قربانی کو آسمان سے قدرتی آگ آئے اور کھا جائے، اس کی بات تسلیم نہ کرو، ان پر تعریض کی جاتی ہے کہ یہودیو! پھر تم یہ بات بتاؤ کہ وہ رسول جو اس شان اور معجزات کے ساتھ تمہارے پاس آئے تم نے انہیں قتل کیوں کر دیا؟ قتل انبیاء کی تمہاری تاریخ بتاتی ہے کہ تم لوگ جھوٹے ہو، سچائی کو تسلیم کرنے والے نہیں، انکار حق کی جھوٹی بنیادیں تلاش کرتے رہتے ہو''۔

آیت کو سمجھنے کا دوسرا پہلو وہ ہے جسے علامہ رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں نقل کیا، آپ رقم طراز ہوتے ہیں (619):

''یہود کی مذہبی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے ہاں قربانی کی ایک قسم جلی ہوئی قربانی کی ہے، اس کے مطابق وہ لوگ ایک جانور ذبح کرتے اور خاص رسوم کے مطابق اسے آگ لگا دیتے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اللہ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ جلی ہوئی قربانی کا یہ حکم ہر آسمانی دین میں ہوگا چونکہ مسلمانوں کے دین میں یہ نہیں اس لیے ہم ایمان بھی نہیں لاتے''۔

تاریخی استناد پہلی ہی رائے کو ہے۔ ویسے بھی علامہ رشید رضا جدت پسندی میں بعض اوقات بے جا طور پر بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کی راہیں ہم پر روشن فرمائے۔ سیدھا راستہ وہی ہے جو پہلے اکابر اور اسلاف نے اختیار فرمایا۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ (184)

''تو اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی کئی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو محکم نشانیوں اور صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (620):

''فَاِنْ كَذَّبُوْكَ'' شرط ہے اور جزا محذوف ہے اور ''فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ'' اس کے قائم مقام ہے۔ کہا گیا کہ دوسرے رسولوں کی تکذیب کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی تکذیب پر صبر کرنا اور رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ پہلے سے منکرین

کا یہ دستور چلا آیا ہے پس سبب کو ذکر کر کے جزا کو حزف کر دیا گیا ہے"۔

ایک دوسرا مفہوم بھی تفسیر میں سمویا ہوا محسوس ہو رہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو تنہا یہ آپ کی تکذیب نہیں ہے بلکہ یہ آپ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب ہے کیونکہ آپ کی بعثت کی خبر تو پہلے رسولوں نے پہلے دے دی تھی ، اصل میں ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کر کے دو ظلم کیے ہیں: ایک آپ کو نہیں مانا اور دوسرا پہلے رسولوں کے دعویٰ کو بھی رد کر دیا ہے۔

آیت میں "البینات" سے مراد واضح معجزات ہیں اور "زبر، زبور" کی جمع ہے۔ "زبور" سے مراد وہ کتاب ہے جس میں صرف احکام ہوں۔ یہ لفظ "زبرتُ الشئی" سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ چھا کرنا ہوتا ہے (621)۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

"ہر جان نے موت کو چکھنا ہے اور یقیناً تمہیں قیامت کے دن اجر پورے کے پورے ملیں گے اور جو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو سامان غرور کے سوا کچھ نہیں"۔

قرآن مجید اپنے قاری کے سامنے دنیا کی زندگی کی محدودیت لا رہا ہے اور اعلان کر رہا ہے کہ جو بھی اس دنیا میں زندہ وجود ہے اُس کو فضا کے دائروں میں تحلیل ہو جانا ہے۔ یہاں اچھا ہے کوئی یا بُرا ہے اس نے موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے۔ موت ہر وقت اپنا شکار تلاش کرتی رہتی ہے۔ آیت میں نفس سے مراد جسم اور روح کا مجموعہ ہے اور ذائقہ لفظ احساس کی کاملیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے بلکہ چکھنا موت کے لیے ایسی تعبیر ہے کہ غذا کی لذت کی طرح موت بھی رواں رواں کے نیچے اپنا اثر محسوس کروا کر شاید کسی اور کے شکار کے لیے دوڑ پڑتی ہے۔ ممکن ہے اس کا یہ معنیٰ بھی نکلتا ہو کہ موت مکمل جمود، خمود اور نبود کا نام نہیں، اس کے بعد ایک اور قسم کی زندگی سے انسان کو ہم کنار کر کے نئ صبحوں اور نئ شاموں سے متجاذب کر دیا جاتا ہے۔ قران مجید کا اسلوب حیات بخش ہے کہ کہا جا رہا ہے کتنی موتیں ہیں جن کی غذا زندگیاں ہیں اور کتنی زندگیاں ہیں جن کی خوراک موتیں ہیں، بندہ بھروسہ کس پر کرے۔ یہاں حیرتوں کا سورج نصف النہار پر دکھائی دینے لگ جاتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ جام رحلت باری باری ہر ایک کے سامنے آتا ہے اور ہر شخص نے کنار جام لب آزمائی ضرور کرنی ہوتی ہے۔ فرق ہوتا ہے لیکن اس کا زاویہ اور ہوتا ہے، لب موت پہنچ کر بھی اقدار والوں اور اطوار والوں کے فرق اپنی پہچان کروا لیتے ہیں۔

آیت میں دوسرا جملہ دوسرے مرحلے کی حساسیت کو دلوں اور روحوں میں جا گزیں کر دیتا ہے، وہ ہے جزا و سزا کا مرحلہ، دنیا میں عمل ہوتا ہے لیکن جزا اُدھار ہوتی ہے لیکن وہاں عمل نہیں ہوتا لیکن جزا پوری کی پوری موجود ہوتی ہے۔

آیت کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ وہ شخص جو دوزخ کی آگ سے بچ گیا اور جنت میں اسے داخلہ نصیب ہو گیا وہ سمجھ لے کہ کامیابیاں اس کا مقدر بن گئیں۔ مفہوم مقصودہ کے لیے تعبیر کا حسن ملاحظہ ہو کہ "زحزاح" کا اساسی معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا خود کو کسی شئ کی قوت کشش سے دھیرے دھیرے باہر نکال لینا اور "فوز" کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہلاکت سے بچ جائے اور محبوب تک اس کی رسائی ہو جائے۔ آیت پڑھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آگ بھڑک کر کچھ لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، لیکن وہ اعمال حسنہ کی طاقت سے خود کو دوزخ کی کشش کے خلاف باہر کی طرف کھینچ رہے ہیں، صرف دوزخ سے اپنے تئیں دور ہی نہیں کر رہے بلکہ جنت میں انہیں داخل ہونے کی بشارت بھی مل جاتی ہے۔

آیت اگلے مرحلے میں اپنے قاری کے سامنے دنیا کی حقیقت لے آتی ہے کہ دنیا کی زندگی بس متاع غرور ہے۔ ایسا سامان جس میں دھوکہ اور فریب لپٹا ہوا ہے۔ انسان اسے پتہ نہیں کیا کیا سمجھتا رہتا ہے۔ فنا پذیر دنیا انسانوں کو اپنی تمام تر مادی لذتوں میں ڈوب جانے کی دعوت دیتی ہے لیکن اللہ اپنے بندوں کو یہ سمجھا رہا ہے کہ یہ پیکر فانی اندر سے خالی ہے۔ کچھ بھی نہیں، انسان کو اپنے تکامل اور ارتقا کے لیے حقیقی سرچشموں کی طرف رخ کرنا چاہئے، وہاں ملنے والا ہر قیمتی سودا حقیقی اور منزل نواز ہوتا ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْٓا أَذًى كَثِيْرًا ۗ وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

"تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمایا جائے گا اور تم ضرور اگلے کتاب والوں اور شرک کرنے والوں کی تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم جمے رہے اور تقویٰ اختیار کیے رکھا تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے"۔

آیت میں آزمائش کا طبل بج رہا ہے، مسلمانوں کو بیدار کیا جا رہا ہے۔ ان کے دل کی دھڑکنوں میں عزم اور جوش بھرا جا رہا ہے۔ ان کی روحوں میں اپنے پیغمبر کی قدر و منزلت پر جان چھڑک دینے کی تڑپ پیدا کی جا رہی ہے لیکن اسلوب میں ٹھہراؤ کی تلقین بھی شامل ہے۔ مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہیں مخالفین اور مخاصمین کی طرف سے بدگوئی اور آزار رسانی کا مقابلہ بھی کرنا پڑے گا۔ شان نزول کے اعتبار سے تو کعب بن اشرف کی یاوہ گوئیوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی ہجو گوئی، بدتمیزی خصوصاً مسلمان عورتوں کی شان میں بدتمیزی کا حوالہ دیا جا رہا ہے لیکن آیت کا انطباق معنوی کسی ایک واقعہ سے مربوط نہیں۔ مدینہ کا عمومی ماحول گستاخیوں اور بے باکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسی ابر آلود فضا کو شائستگی اور حیا کی طرف لانے کے لیے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم صادر ہو گیا تھا لیکن مسلمانوں کو بھی ذہناً تیار کر دیا گیا کہ تم مشرکین اور یہود سے آئندہ بھی ایسی گندی باتیں سنتے رہو گے لیکن تم نے سفینۂ دعوت کو بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھانا ہو گا۔

آیت کا تیسرا اور آخری حصہ ان دائمی تعلیمات اور تربیتی امور پر مشتمل ہے جو اسلامی زندگی میں ضروری ہیں۔ اسلام صرف لڑائیوں اور جھڑپوں کی تحریص نہیں دلاتا، اس کا مقصود دعوت تو انسانی زندگی کو آلائشوں سے پاک صاف کر دینا ہے۔ المناک حوادث کے موقع پر مسلمانوں کی چند روحانی اور اخلاقی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے دو چیزوں کا یہاں ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے: ایک تو استقامت اور پامردی کے ساتھ رہنا اور ہر معاملہ کو صابر اور بُردبار ہو کر نبھانا ہے اور دوسرا تقویٰ اور پرہیز گاری کا دامن ہر حال میں تھامے رکھنا ہے۔ یہ اتنی اعلیٰ صفات ہیں کہ ہر عقلمند آدمی کو فوراً ان صفات کو عمل بند کر لینا چاہیے۔

بقیہ صفحہ نمبر 11 پر

حُبِّ علی رضی اللہ عنہ۔۔۔۔۔فضیلت کی کہکشاں

حافظ سخی احمد

حَدَّثَنَا إِسمَاعِيلُ بنُ مُوسَى الفَزَارِيُّ ابنُ بِنتِ السُّدِّيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي رَبِيعَةَ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِحُبِّ أَرْبَعَةٍ، وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ «قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ سَمِّهِمْ لَنَا، قَالَ: »عَلِيٌّ مِنْهُمْ« يَقُولُ ذَلِكَ ثَلَاثًا وَأَبُو ذَرٍّ، وَالمِقْدَادُ، وَسَلْمَانُ أَمَرَنِي بِحُبِّهِمْ، وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ (ترمذی)

''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے چار افراد سے محبت کا حکم دیا ہے، اور مجھے بتایا ہے کہ وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے''، عرض کیا گیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں ان کے نام بتا دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''علی رضی اللہ عنہ انہیں میں سے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جملہ کو تین بار دہرا رہے تھے اور باقی تین: ابوذر، مقداد اور سلمان رضی اللہ عنہم ہیں، مجھے اللہ نے ان لوگوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے، اور مجھے اس نے بتایا ہے کہ وہ بھی ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے''۔

زیرِ مطالعہ فرمانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امام ترمذی نے سنن ترمذی، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی نے سنن ابن ماجہ میں، امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی نے مسند الرویانی میں، امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری نے شریعۃ الآجری میں، امام مغازلی نے مناقب علی میں جبکہ الفاظ کے تبدل وتقدم وتاخر سے اسی روایت کو امام حاکم نے المستدرک میں، امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء میں روایت کیا ہے۔ نیز امام احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ میں اور اپنی مسند میں بھی اس روایت محبت کو بیان کیا ہے۔

آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وحی غیر متلو کا ذکر فرمایا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اپنے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بطور خاص چار غلاموں سے خصوصی محبت فرمائیں اور پھر رحمۃ اللعالمین آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمّت کو یہ حکم اس لیے بتایا تاکہ وہ بھی ان چار اصحاب سے خاص الخاص محبت کریں۔ انہیں اپنے دل کی دھڑکن ہی بنالیں۔

حکم رب العالمین

اگرچہ فرمانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں چار صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔ جن میں مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ مگر الفاظِ روایت اور اندازِ روایت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مولا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا حکم خاص ہے۔ اسی لیے ایک روایت میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے براہِ راست اپنے علی رضی اللہ عنہ سے خود فرمائی اور بار بار دہرائی۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

وَرَوَى بُرَيْدَةُ الأَسْلَمِيُّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ بِحُبِّ أَرْبَعَةٍ، وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ إِنَّكَ يَا عَلِيُّ مِنْهُمْ، إِنَّكَ يَا عَلِيُّ مِنْهُمْ، إِنَّكَ يَا عَلِيُّ مِنْهُمْ ثَلَاثًا

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کہ اللہ ربّ العالمین نے مجھے چار افراد سے محبت کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی خبر دی کہ خود مالکِ لم یزل بھی اُن سے محبت کرتا ہے۔ اے علی رضی اللہ عنہ! بلاشبہ تو اُن میں سے ہے، اے علی رضی اللہ عنہ! یقیناً تم ان میں ہو، پھر ایک اور دفعہ دہرایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! بالتحقیق تم ضرور اُن میں ہو''۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے محبت کا حکم بارگاہِ ربّ العالمین سے بار بار آیا۔ حُبِّ علی رضی اللہ عنہ وہ وحی ہے جو آسمان سے کئی بار نازل ہوئی۔ الشریعۃ الآجری میں ہی فتح خیبر کے ذکر پر یہ الفاظ وجد آفرین ہیں:

وَأَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ مُحِبٌّ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولَهُ مُحِبَّانِ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنهُ

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر بتائی کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے ہیں اور یہ بھی کہ اللہ عزوجل اور اُس کا رسول بھی محبان علی رضی اللہ عنہ ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت

محبت علی رضی اللہ عنہ کی کئی ظاہری وجوہات بھی سامنے ہیں مثلاً مولا علی رضی اللہ عنہ کا دُنیا میں نگاہیں ہی گودِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کھولنا، پرورش سینۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانا، حضور کے پارۂ جاں سیدہ پاک بتول سلام اللہ علیہا کا تاجدارِ ھل اتی ہونا، پہلی دعوت ذوالعشیرہ سے لیکر ہر معرکۂ حق وباطل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ ہونا اور وفاداری وجانثاری میں اپنی مثال آپ ہی رہنا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی امتیازی خوبیاں ہیں۔ مگر زیرِ مطالعہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی وجہ حکم ربّ العالمین ہے۔

خاصۂ مولا مرتضیٰ علیہ السلام

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سبھی غلاموں سے نہایت محبت فرماتے مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کا حکم تو اللہ ربّ العالمین نے خود دیا۔ یہی وہ غلط فہمی جس میں کل کے خوارج کے بھی مبتلا تھے اور آج کے خوارج بھی اسی اعتقادی مغالطہ کا شکار ہیں اور انہیں ذکرِ مولا مرتضیٰ علیہ السلام اسی طرح الجھن میں مبتلا کر دیتا ہے جیسے غدیر خم پر اعلان ولایتِ علی رضی اللہ عنہ سُن کر حارث بن نعمان کو ذہنی قلق پیدا ہوا تھا اور وہ بارگاہِ رسالت میں آکر معترض ہوا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات کو تسلیم کیا۔ پھر کہنے لگا:

حتی رفعت بضبعي ابن عمك تفضله علينا

''یہاں تک کہ آپ نے اپنے چچازاد کا ہاتھ بُلند کرکے اُسے ہم پر فضیلت

بھی دے دی''۔
پھر بغض علی رضی اللہ عنہ میں اُس کا جو عبرتناک حشر ہوا وہ تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ محبوب ربّ العالمین اور سید الانبیاء والمرسلین ﷺ نے اسی لیے وضاحت فرمائی کہ علی رضی اللہ عنہ میرا محبوب ہے اور اس لیے میرا محبوب ہے کہ وہ مالکِ لم یزل کا بھی محبوب ہے۔ علی میرا دلبر ہے، علی میرا چین ہے، علی میرا سکون ہے، علی میری راحت ہے اور علی رضی اللہ عنہ کو یہ مقام محبوبیت حکم رب العالمین کے سبب سے حاصل ہے۔

علی، علی اور صرف علی ہی علی رضی اللہ عنہ

اگر چہ فرمانِ رسول کریم ﷺ میں دیگر تین اصحاب رضی اللہ عنہم کا بھی ذکر ہے مگر خصوصیت کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے محبت کا بیان ہے۔ اسی لیے تو سب سے پہلے شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور پھر تین بار تکرار سے فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ اُن میں سے ہے۔
امام حاکم نے المستدرک میں اس روایت کو ایسے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ ہمیں اُن کے ناموں سے آگاہ کردیں کہ جن سے محبت کرنے کا حکم اللہ ربّ العالمین نے دیا ہے تاکہ ہم بھی اُن سے محبت کریں اور اپنا جان ودل اُن پر نچھاور کردیں تو ارشاد فرمایا:
أَلَا إِنَّ عَلِيًّا مِنْهُمْ، ثُمَّ سَكَتَ، ثُمَّ قَالَ: أَمَا إِنَّ عَلِيًّا مِنْهُمْ، ثُمَّ سَكَتَ
''غور سے سُن لو! علی رضی اللہ عنہ اُن میں سے ہے، پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور پھر دوبارہ ارشاد فرمایا کہ خبردار، ہوشیار کہ بلاشک وشبہ علی رضی اللہ عنہ اُن میں سے ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے''۔
مسند الرویانی کے الفاظ بھی دلچسپ ہیں:
قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: فِيهِمْ عَلِيٌّ قَالَ: ثُمَّ ذَكَرَ ذَلِكَ مِنَ الْغَدِ فَقُلْتُ: مَنْ هُمْ؟، قَالَ: »مِنْهُمْ عَلِيٌّ ثُمَّ ذَكَرَ الْيَوْمَ الثَّانِي فَقُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: »مِنْهُمْ عَلِيٌّ قَالَ ثُمَّ ذَكَرَ الْيَوْمَ الثَّالِثَ، فَقُلْتُ: مَنْ هُمْ؟ فَقَالَ: »مِنْهُمْ عَلِيٌّ، وَأَبُو ذَرٍّ الْغِفَارِيُّ، وَسَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ، وَالْمِقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ الْكِنْدِيُّ
''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! وہ کون ہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ اُن میں سے ہیں اور پھر دوسرے دن یہی سوال عرض کیا تو جواب میں پھر ارشاد فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ اُن میں سے ہے۔ پھر تیسرا دن آیا تو میں نے ایک اور بار سوال دہرایا تو اس بار پھر جواباً ارشاد فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ اُن میں سے ہے اور حضرت سلمان، ابوذر اور مقداد رضی اللہ عنہم بھی اُنہی میں سے ہیں''۔
بار بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لینا، علی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر خاموش ہو جانا، پہلے دن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام لینا، دوسرے اور تیسرے دن بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی نام لیتے رہنا۔ یہ سب ظاہر کرتا ہے کہ جو وحی آسمان سے اللہ ربّ العالمین کی طرف سے اپنے پاک محبوب پر نازل ہوئی اُس میں حضرت علی علیہ السلام سے محبت کا حکم خصوصی اور خاص الخاص تھا۔

سیدنا مقداد، سیدنا ابوذر اور سیدنا سلمان رضی اللہ عنہم کا اختصاص

یہ انتہائی توجہ طلب اور اہم سوال ہے کہ وہ کون سا خاص وصف وکمال وخوبی ان تینوں اصحابِ رسول میں ہے کہ جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان سے محبت کرنے کا خصوصی حکم دیا۔ درج ذیل وجوہات کی بنا پر اس سوال کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے:
1۔ رسول کریم ﷺ تو اپنے تمام غلاموں سے نہایت محبت فرماتے تھے۔
2۔ تمام اصحاب رسول بالخصوص اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رسول اللہ ﷺ سے نہایت محبت وعشق کرتے اور اپنی بساط اور صلاحیت کے مطابق تمام کے تمام جانثارِ رسالت بھی تھے۔
3۔ تقویٰ واخلاص میں بھی ان کا مثل کوئی اور نہیں ہو سکتا اور ایمان کے لیے خاطر اکثر یارانِ مصطفیٰ ﷺ نے بے شمار قربانیاں بھی دیں۔
آخر وہ کون سی قدر مشترک ہے کہ جس کی بنا پر بطور خاص ان اصحاب سے محبت کرنے کا حکم نازل ہوا۔

روایت میں ہی جواب

غور سے دوبارہ اور سہ بارہ فرمانِ رسول کریم ﷺ کا مطالعہ کریں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر جُدا انداز اور شان میں بیان فرمایا اور بار بار اصرار وتاکید وتکرار سے بیان فرمایا تو معلوم ہوا کہ محبتِ خاص کا حکم الٰہی مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے تھا۔ اس بات کی تائید میں امام ابوبکر بن محمد الحسین شریعۃ الآجری میں ایک اور روایت لائے جو اسی فرمانِ رسول کی تفہیم وتشریح میں متصل کر کے لائے ہیں:
وَرُوِيَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ »يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَأْمُرُكَ أَنْ تُحِبَّ عَلِيًّا وَتُحِبَّ مَنْ يُحِبُّ عَلِيًّا
''حضرت جعفر بن محمد اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں تشریف لائے اور پیغام پہنچایا کہ بے شک اللہ عزوجل آپ ﷺ کو علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا حکم دیتا ہے اور یہ بھی حکم دیتا ہے کہ آپ ﷺ ہر اُس شخص سے بھی محبت فرمائیں جو علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے''۔
درج بالا روایت کی روشنی میں یہ بات نکھر کر اور اُبھر کر سامنے آ رہی ہے کہ غلامانِ رسول کریم ﷺ تو سارے ہی شان وعظمت وشوکت ومرتبت کے مالک ہیں مگر انتخاب اُن کا ہوا جن کی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خاص محبت تھی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اُن کی وفا اور جانثاری تاریخ میں لاجواب رہی۔

حُبِّ علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

امام حاکم کی المستدرک سے ایک گواہی پیشِ خدمت ہے:
قَالَ رَجُلٌ لِسَلْمَانَ: مَا أَشَدَّ حُبَّكَ لِعَلِيٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ أَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَبْغَضَ عَلِيًّا فَقَدْ أَبْغَضَنِي
''ایک شخص نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ٹوٹ کر عشق کرتے ہیں تو جواباً ارشاد فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کی محبت رکھی اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس کسی نے بھی علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھا تو اُس نے مجھ سے بغض رکھا''۔
اسی لیے حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے ایک اور روایت حُبِّ علی رضی اللہ عنہ میں درج ذیل ہے:

عَنْ سَلْمَانَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ:

»مُحِبُّكَ مُحِبِّي، وَمُبْغِضُكَ مُبْغِضِي المعجم الكبير

''حضرت سلمان فارسی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا کہ اے علی ؓ! تجھ سے محبت کرنے والا مجھے محبوب ہے اور تجھ سے بُغض رکھنے والا میری نگاہوں میں بھی مبغوض ہے''۔

نیز سیدنا سلمان ؓ کا ایک اور خاصہ یہ بھی ہے کہ آپ شب و روز مخدومۂ عالمین سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بیت القدس کے دروازے پر جاروب کشی میں گزرتے۔ ریش انور پہ مخدومۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی دہلیز پاک سے شرف یاب ہونے والے ذرات نورانی جواہر کی صورت میں چمکتے۔ آپ کو در زہرا سلام اللہ علیہا کے دربان اور حاجب علی ؓ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

حُبِّ علی ؓ اور حضرت ابوذر غفاری ؓ

حضرت جُندَب بن جُنادہ غفاری ؓ بھی فنائے حُبِّ علی ؓ تھے۔ آپ مؤدت اہلبیت اطہار میں سرشار اور بحرِ معرفتِ حیدر کرار ؓ کے شناور تھے۔ کامل الایمان اور حامل الاسرار تھے۔ مشہور مؤرخ مسعودی اپنی معروف کتاب مروج الذہب میں بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوذر غفاری ؓ نے جب حالات کی ستم ظریفی کے سبب شہر و آبادی کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو الوداع کرنے کے لیے حضرت مولا مرتضیٰ، حضرت عقیل، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت عمار یاسر ؓ تشریف لائے۔ مگر عشقِ علی ؓ کا وظیفہ مقام ربذہ میں بھی قضا نہ ہونے دیا۔ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ابن رافع سے کہا:

بہت جلد ایک فتنہ ایجاد ہوگا، پس خدا سے ڈرو اور علی بن ابی طالب ؓ کی حمایت کرو۔

حبِ علی ؓ اور حضرت مقداد ؓ

حضرت مقداد ؓ تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے، جنگ بدر میں صرف یہی یکہ و تنہا شہسوار تھے جو اپنے سبحہ صبار فتار کو مہمیز کر رہے تھے، محدثین و اصحاب سیر کی عام طور پر رائے ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، غزوۂ بدر کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پامردی و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار رہے۔ حضرت مولا علی ؓ سے انتہائی محبت کرتے تھے اور عشقِ علی ؓ میں اوروں سے اختلاف کی بھی پرواہ نہ کرتے۔

اسی عنوان کو موضوع بناتے ہوئے مولانا حسرت موہانی کہتے ہیں:

مسرت ہے شاہِ نجف کی غلامی
زہے کامرانی، زہے شادمانی
ملے مجھ کو بھی مثل سلمان و بوذر
وہی خواجہ تاشی وہی نیک نامی

آج جب فلسطین لہولہو ہے اور غزہ کی شہادتیں اُمّتِ مسلمہ کی بے بسی اور عالمی ضمیر کی بے حسی کی آئینہ دار ہیں۔ ڈر لگتا ہے کہ معصوم و مظلوم بچوں کی چیخیں کہیں ہم پر آسمان ہی نہ گرا دیں۔ یہودیوں کا جبر و استبداد انتہائی عروج پر ہے۔ مسجد اقصیٰ اور قبلۂ اول بیت المقدس امام مہدی علیہ السلام کو پکار رہا ہے۔

عشقِ حیدر ؓ ہی اُمّت کی ناؤ کو ساحل آشنا کرسکتا ہے۔

کل بھی ذاتِ حیدر ؓ نے خیبر کا دروازہ اکھیڑ کر یہودیوں کو تباہ و برباد کیا تھا آج بھی ذکرِ حیدر ؓ اور حُبِّ حیدر ؓ ان ظالموں کو عبرتناک انجام تک پہنچائے گا۔

ان شاء اللہ! وہ وقت قریب ہے جب شیرِ خدا کا بیٹا مہدی مظلوموں کی فتح اور دجالوں کی شکست اور تباہی بن کر تشریف لائے گا اور اُن کے جاں نثاروں میں بھی مقداد و بوذر و سلمان ؓ جیسے وفادار شامل ہوں گے۔

حکیم الامت شاعر مشرق علامہ اقبال نے صحیح فرمایا تھا

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدر، صدقِ بوذر، فقرِ سلمانی

بقیہ: تبصرہ و تذکرہ

علامہ فخر الدین رازی نے خوبصورت لکھا (622):

''صبر کا مطلب یہ ہے کے ناپسندیدہ شدائد کو برداشت کرو اور تقوی کا معنیٰ یہ ہے کہ غیر مناسب افعال اور اقوال سے خود کو بچاؤ۔ یوں صبر سے دنیا کا ضرر کم ہوجائے گا اور تقویٰ سے آخرت میں ضرر نہ ہوگا۔ معانی کا یہ حسن آیت میں آداب دنیا اور آداب آخرت کی کشش پیدا کررہا ہے''۔

''عَزْمِ الْأُمُوْرِ'' پر علامہ فخر الدین رازی ہی لکھتے ہیں (623):

''حزم'' سخت اور بلند زمین کو کہتے ہیں۔ پختہ ارادہ والا مستقل مزاج انسان صاحب حزم ہوتا ہے جبکہ ''عَزْم'' کا معنیٰ پختہ ارادہ کرنا ہوتا ہے۔ ان معانی کے اعتبار سے ''عَزْمِ الْأُمُوْرِ'' کا مطلب یہ ہوگا درست تدبیر جس کی بھلائی کے ظاہر ہونے میں کوئی شک نہ ہو اور اس میں انجام صحیح ہونا اتنا حتمی اور یقینی ہو کہ ہر عقلمند شخص اس کے کرنے کا ارادہ کرلے''۔

ابن عاشور انہی باتوں کو اپنے لہجے کی استقامت میں سمو دیتے ہیں (624):

''ہر وہ کام جس کا انجام اور نتیجہ اچھا ہو اور وہ قابلِ تعریف ہو اور اس میں ہدایت اور درستگی پائی جائے۔''

انہی واضح حقائق کو بعض مفسرین نے یوں سمجھا ہے (625):

''صبر اور تقویٰ کا آیت میں ایک ساتھ ذکر آیا ہے یہ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ بعض افراد استقامت اور پامردی کے باوجود ناشکری کا اظہار کرتے رہتے ہیں لیکن حقیقی مومن وہ ہوتے ہیں جو صبر و استقامت کے ساتھ تقویٰ اور پرہیز گاری کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور ناشکری اور شکوہ و شکایت سے دور رہتے ہیں''۔

حوالہ جات

(618) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً املا من بہ الرحمٰن ابن عاشور ایضاً روح

(619) المنار: علامہ رشید رضا (620) تفسیر مظہری: پانی پتی

(621) تفسیر مظہری: پانی پتی (622) تفسیر کبیر: رازی

(623) تفسیر کبیر: رازی (624) التحریر: ابن عاشور

(625) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حیات وسیرت پر ایک نظر

ڈاکٹر علی اکبر الازہری

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن تیم بن مرہ بن کعب ہے۔ مرہ بن کعب تک آپ کے سلسلہ نسب میں کل چھ واسطے ہیں۔ مرہ بن کعب پر جا کر آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوبکر ہے۔

(المعجم الکبیر، نسبۃ ابی بکر الصدیق واسمہ، 1:1)

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوبکر ہونے کی درج ذیل وجوہات بیان کی جاتی ہیں:

عربی زبان میں ''البکر'' جوان اونٹ کو کہتے ہیں۔ جس کے پاس اونٹوں کی کثرت ہوتی یا جو اونٹوں کی دیکھ بھال اور دیگر معاملات میں بہت ماہر ہوتا عرب لوگ اسے ''ابوبکر'' کہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بھی بہت بڑا اور مالدار تھا نیز اونٹوں کے تمام معاملات میں بھی آپ مہارت رکھتے تھے اس لیے آپ بھی ''ابوبکر'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

عربی زبان میں ابو کا معنیٰ ہے ''والا'' اور ''بکر'' کے معنیٰ ''اولیت'' کے ہیں۔ پس ابوبکر کے معنیٰ ''اولیت والا'' ہے۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ اسلام لانے، مال خرچ کرنے، جان لٹانے، الغرض امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہر معاملے میں اولیت رکھتے ہیں اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کو ابوبکر (یعنی اولیت والا) کہا گیا۔

(مراۃ المناجیح، مفتی احمد یار خان نعیمی، 347:8)

سیرت حلبیہ میں ہے کہ

کُنِيَ بِاَبِي بَكْرٍ لِابْتِكَارِهِ الْخِصَالِ الْحَمِيدَةِ

''آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوبکر اس لئے ہے کہ آپ شروع ہی سے خصائل حمیدہ رکھتے تھے''۔

آپ رضی اللہ عنہ کے دو لقب زیادہ مشہور ہیں عتیق اور صدیق

عتیق پہلا لقب ہے، اسلام میں سب سے پہلے آپ کو اسی لقب سے ہی ملقب کیا گیا۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام ''عبداللہ'' تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا: اَنْتَ عَتِيقٌ مِنَ النَّارِ ''تم جہنم سے آزاد ہو''۔ تب سے آپ رضی اللہ عنہ کا نام عتیق ہو گیا۔

(صحیح ابن حبان، کتاب اخبارہ عن مناقب الصحابۃ، ج9، ص6)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک دن اپنے گھر میں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان صحن میں تشریف فرما تھے۔ اچانک میرے والد گرامی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى عَتِيقٍ مِنَ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِي بَكْرٍ.

''جو دوزخ سے آزاد شخص کو دیکھنا چاہے، وہ ابوبکر کو دیکھ لے''۔

(المعجم الاوسط، من اسمہ الہیثم، الرقم: 9384)

آپ رضی اللہ عنہ کے لقب ''صدیق'' کے حوالے سے حضرت سیدہ حبشیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

يَا اَبَا بَكْرٍ اِنَّ اللهَ قَدْ سَمَّاكَ الصِّدِّيقَ

''اے ابوبکر! بے شک اللہ رب العزت نے تمہارا نام ''صدیق'' رکھا''۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، حرف النون، 8: 332)

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری صبح لوگوں کے سامنے اس مکمل واقعہ کو بیان فرمایا، مشرکین دوڑتے ہوئے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:

هَلْ لَكَ اِلٰى صَاحِبِكَ يَزْعَمُ اَسْرٰى بِهِ اللَّيْلَةَ اِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ؟

''کیا آپ اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں جو آپ کے دوست نے کہی ہے کہ انہوں نے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کی؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعی یہ بیان فرمایا ہے؟

انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَئِنْ كَانَ قَالَ ذٰلِكَ لَقَدْ صَدَقَ.

''اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے تو یقیناً سچ فرمایا ہے اور میں ان کی اس بات کی بلا جھجک تصدیق کرتا ہوں''۔

انہوں نے کہا: ''کیا آپ اس حیران کن بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے واپس بھی آ گئے؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نَعَمْ! اِنِّي لَاُصَدِّقُهُ فِيمَا هُوَ اَبْعَدُ مِنْ ذٰلِكَ اُصَدِّقُهُ بِخَبَرِ السَّمَاءِ فِي غَدْوَةٍ اَوْ رَوْحَةٍ.

''جی ہاں! میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آسمانی خبروں کی بھی صبح وشام تصدیق کرتا ہوں اور یقیناً وہ تو اس بات سے بھی زیادہ حیران کن اور تعجب والی بات ہے''۔ (المستدرک علی الصحیحین، الرقم: 4515)

پس اس واقعہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ صدیق مشہور ہو گئے۔

قبول اسلام

حضرت سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسلام آسمانی وحی کی مانند تھا، وہ اس طرح کہ آپ ملک شام تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے، وہاں آپ نے ایک خواب

دیکھا، جو ''بحیرا'' نامی راہب کو سنایا۔ اس نے آپ سے پوچھا:

''تم کہاں سے آئے ہو؟'' فرمایا: ''مکہ سے''۔ اس نے پھر پوچھا: ''کون سے قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟'' فرمایا: ''قریش سے''۔ پوچھا: ''کیا کرتے ہو؟'' فرمایا: تاجر ہوں۔ وہ راہب کہنے لگا: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے خواب کو سچا فرمادیا تو وہ تمہاری قوم میں ہی ایک نبی مبعوث فرمائے گا، اس کی حیات میں تم اس کے وزیر ہوگے اور وصال کے بعد اس کے جانشین۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس واقعے کو پوشیدہ رکھا، کسی کو نہ بتایا اور جب سرکار ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو آپ ﷺ نے یہی واقعہ بطور دلیل آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ یہ سنتے ہی آپ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو گلے لگالیا اور پیشانی چومتے ہوئے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں''۔

(الریاض النضرۃ، ابوجعفر طبری، 83:1)

والدین کریمین

آپ رضی اللہ عنہ کے والد محترم کا نام عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر قرشی تیمی ہے۔ کنیت ابوقحافہ ہے۔ آپ فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور آپ ﷺ کی بیعت کی۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے اور ان کے وارث ہوئے۔ آپ نے خلافت فاروقی میں وفات پائی۔

(تہذیب الاسماء واللغات، امام نووی، 296:1)

آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا نام سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ ہے۔ کنیت ''ام الخیر'' ہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کے چچا کی بیٹی ہیں۔ ابتدائے اسلام میں ہی آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرکے مشرف بہ اسلام ہوگئیں تھیں۔ مدینہ منورہ میں جمادی الثانی 13 ہجری میں وفات پائی۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، 386:8)

ازواج اور اولاد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ازواج (بیویوں) کی تعداد چار ہے۔ آپ نے دو نکاح مکہ مکرمہ میں کیے اور دو مدینہ منورہ میں۔ ان ازواج سے آپ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلا نکاح قریش کے مشہور شخص عبدالعزیٰ کی بیٹی ام قتیلہ سے ہوا۔ اس سے آپ رضی اللہ عنہ کے ایک بڑے بیٹے حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ایک بیٹی حضرت سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا دوسرا نکاح ام رومان (زینب) بنت عامر بن عویمر سے ہوا۔ ان سے ایک بیٹے حضرت سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور ایک بیٹی ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تیسرا نکاح حبیبہ بنت خارجہ بن زید سے کیا۔ ان سے آپ رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے چوتھا نکاح سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کیا۔ یہ حضرت سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں، جنگ موتہ کے دوران شام میں حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کرلیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ان سے آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ جب حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ سے نکاح کرلیا۔ اس طرح آپ کے بیٹے محمد بن ابی بکر کی پرورش حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔

(الریاض النضرۃ، امام ابوجعفر طبری، 266:1)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کو ایک ایسا شرف حاصل ہے جو اس گھرانے کے علاوہ کسی اور مسلمان گھرانے کو حاصل نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود بھی صحابی، ان کے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی، آپ کے تینوں بیٹے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ) بھی صحابی، آپ رضی اللہ عنہ کے پوتے بھی صحابی، آپکی بیٹیاں (حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر) بھی صحابیات اور آپ کے نواسے بھی صحابی ہوئے۔

حضرت سیدنا موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم صرف چار ایسے افراد کو جانتے ہیں جو خود بھی مشرف بہ اسلام ہوئے اور شرف صحابیت پایا اور ان کے بیٹوں نے بھی اسلام قبول کرکے شرف صحابیت حاصل کیا۔ ان چاروں کے نام یہ ہیں:

ابوقحافہ عثمان بن عمر رضی اللہ عنہ

ابوبکر عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

محمد بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ

(المعجم الکبیر، نسبۃ ابی بکر الصدیق واسمہ، الرقم: 11)

اہل بیت سے رشتہ داری

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ سے لے کر اپنی وفات تک کبھی بھی اہل بیت کی خدمت میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہل بیت سے یہ خصوصی محبت آپ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بھی منتقل ہوتی رہی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اہل بیت سے ایک مضبوط رشتہ داری قائم فرمائی۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی لاڈلی شہزادی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 8 بعثت نبوی، شوال المکرم میں اپنے محبوب آقا ﷺ سے کیا۔

آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا یہ دونوں والدہ کی طرف سے بہنیں تھیں۔ ان کی والدہ محترمہ کا نام ''ہند بنت عوف'' ہے اور انہیں ''خولہ بنت عوف'' بھی کہا جاتا ہے۔ یوں اس مبارک رشتے سے آپ ﷺ اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم زلف ہوئے۔

(الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، 104:8)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے (یعنی حضرت اسماء بنت ابی بکر کے بیٹے) حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بھتیجے بھی ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی پھوپھی اور حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی دادی (یعنی حضرت سیدنا زبیر بن عوام کی والدہ) حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے داماد بھی ہیں۔ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت سیدہ ام الحسن رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے حضرت سیدنا محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی والدہ حضرت سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ان سے

امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا۔ چنانچہ اس لحاظ سے حضرت سیدنا محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بیٹے ہوئے اور حضرت سیدنا امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کے علاتی بھائی (یعنی باپ شریک بھائی) ہوئے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترم حضرت سیدہ شہر بانو رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت سیدنا محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ دونوں آپس میں سگی بہنیں تھیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت سیدنا حریث بن جابر جعفی رضی اللہ عنہ نے شاہ ایران یزد جرد بن شہر یار کی دو بیٹیاں آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے بڑی بیٹی حضرت سیدہ شہر بانو رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے بیٹے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمادیا اور چھوٹی بیٹی کا نکاح حضرت سیدنا محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمادیا۔

(لباب الانساب والالقاب والاعقاب، ظہیر الدین ابوالحسن علی بن زید البیہقی (565ھ)،1،22:1)

حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی حضرت سیدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم ہے۔ جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا اسم مبارک حضرت سیدنا امام محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہے۔ یوں آپ رضی اللہ عنہ والدہ کی طرف سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والد کی طرف سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جا ملتے ہیں۔ (شرح العقائد:328)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوتی حضرت سیدہ حفصہ بنت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔ یوں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اس حوالے سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد محترم ہوئے۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، 386:8)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اوصاف حمیدہ

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ وہ اپنے گرد پھیلی ہوئی گمراہیوں، غلط رسوم ورواج، اخلاقی ومعاشرتی برائیوں سے پاک صاف ہونے کے ساتھ ساتھ اوصاف حمیدہ سے بھی متصف تھے۔ آپ کے اعلیٰ محاسن وکمالات اور خوبیوں کی بنا پر مکہ مکرمہ اور اس کے قرب وجوار میں آپ رضی اللہ عنہ کو محبت وعزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت سیدنا سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اچھی خصلتیں تین سو ساٹھ ہیں اور اللہ جب کسی سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی ذات میں ایک خصلت پیدا فرمادیتا ہے اور اسی کے سبب اسے جنت میں بھی داخل فرمادیتا ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میرے اندر بھی ان میں سے کوئی خصلت موجود ہے؟ ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! تمہارے اندر تو یہ ساری خصلتیں موجود ہیں۔

عاجزی وانکساری

حضرت سیدہ انیسہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے تین سال پہلے اور خلیفہ بننے کے ایک سال بعد بھی ہمارے پڑوس میں رہے۔ محلے کی بچیاں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی بکریاں لے کر آتیں، آپ ان کی دلجوئی کے لیے دودھ دوھ دیا کرتے تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو محلے کی ایک بچی آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی: اب تو آپ خلیفہ بن گئے ہیں، آپ ہمیں دودھ دوھ کر نہیں دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں! اب بھی میں تمہیں دودھ دوھ کر دیا کروں گا اور مجھے اللہ کے کرم سے یقین ہے کہ تمہارے ساتھ میرے رویے میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ چنانچہ خلیفہ بننے کے بعد بھی آپ رضی اللہ عنہ ان بچیوں کو دودھ دوھ کر دیا کرتے تھے۔

(تہذیب الاسماء واللغات، امام نووی، 480:2)

حضرت سیدنا یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ملک شام کی طرف چند لشکر بھیجے۔ ان میں حضرت سیدنا یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی تھا۔ انہیں ملک شام کے چوتھائی حصے کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ ان کی روانگی کے وقت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے اور یہ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت سیدنا یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”اے رسول ﷺ کے خلیفہ! یا تو آپ رضی اللہ عنہ سوار ہوجائیں یا میں اپنے گھوڑے سے اتر جاتا ہوں“۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

مَاأَنْتَ بِنَازِلٍ وَلَا أَنَا بِرَاكِبٍ إِنِّي أَحْتَسِبُ خُطَايَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ.

”نہ تو تم اپنے گھوڑے سے اترو گے اور نہ ہی میں سوار ہوں گا بلکہ میں تو اپنے ان قدموں کو راہ خدا میں شمار کرتا ہوں۔“

(موطا امام مالک، کتاب الجہاد، الرقم:1004)

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینہ منورہ کے کسی محلے میں رہنے والی ایک نابینا بوڑھی عورت کے گھریلو کام کاج کردیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کے لیے پانی بھر لاتے اور اس کے تمام کام سرانجام دیتے۔ حسب معمول ایک مرتبہ بڑھیا کے گھر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سارے کام ان سے پہلے ہی کوئی کر گیا تھا۔ بہرحال دوسرے دن تھوڑا جلدی آئے تو بھی وہی صورت حال تھی کہ سب کام پہلے ہی ہو چکے تھے۔ جب دو تین دن ایسا ہوا تو آپ کو بہت تشویش ہوئی کہ ایسا کون ہے جو مجھ سے نیکیوں میں سبقت لے جاتا ہے؟ ایک روز آپ دن میں ہی آکر کہیں چھپ گئے، جب رات ہوئی تو دیکھا کہ خلیفہ وقت امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اس نابینا بڑھیا کے سارے کام کردیے۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے کہ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود آپ اس بوڑھی خاتون کے تمام امور خوش دلی سے انجام دے رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا: حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں۔

(کنز العمال، کتاب الفضائل، الرقم:35602)

اہل بیت پر شفقت

حضرت سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز عصر پڑھ کر باہر نکلے اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو اس وقت بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی شفقت سے انہیں اٹھا کر اپنی گردن پر بٹھالیا اور فرمایا: مجھے میرے والد کی قسم! تو میرے محبوب ﷺ سے مشابہ ہے، اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مشابہ نہیں۔ یہ سن کر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسکرانے لگ گئے۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، الرقم:3542)

حضرت سیدنا عبد الرحمٰن اصبہانی رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ حضرت سیدنا حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب چھوٹے سے تھے تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، آپ اس وقت آپ ﷺ کے منبر پر رونق افروز تھے۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے چونکہ ہمیشہ منبر پر اپنے نانا جان ﷺ ہی کو بیٹھے دیکھا تھا اس لیے ایک نئے شخص کو دیکھ کر اپنی ننھی سوچ کے مطابق کہنے لگے: آپ میرے بابا جان کی جگہ سے نیچے اترو۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ شہزادہ اہل بیت کی دل شکنی ہو، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ فوراً نیچے تشریف لے آئے اور فرمایا: اے حسن رضی اللہ عنہ! تو نے سچ کہا یہ تیرے بابا جان ہی کی جگہ ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو فرطِ محبت سے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھالیا۔ اس موقع پر انہیں آپ ﷺ کے ساتھ بیتے ہوئے وہ انمول ایام یاد آگئے، ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور آپ رضی اللہ عنہ زار و قطار رو پڑے۔

(کنز العمال، کتاب الخلافۃ مع الامارۃ، الرقم: 14081)

غیرت ایمانی

عام حالات میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہایت ہی نرم مزاج تھے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ سختی، خفگی اور غصے سے تو آشنا ہی نہیں ہیں۔ دھیمے انداز میں آہستہ آہستہ بات کرتے مگر اسلام کے معاملے میں انتہائی غیرت مند اور بہت سخت تھے۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں اور منافقوں کی طنزیہ باتوں پر تو آپ رضی اللہ عنہ شدید غصے میں آتے ہی تھے مگر اگر کبھی اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے بھی انہیں آقا ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی کا ہلکا سا بھی شائبہ ہوتا تو اس پر سخت ردعمل کا اظہار فرماتے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ نے (قبول اسلام سے پہلے) ایک بار آپ ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ دیئے تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ دور جا گرے۔ بعد میں آپ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو سارا ماجرا سنایا تو آپ ﷺ نے پوچھا: اے ابوبکر! کیا واقعی تم نے ایسا کیا؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا۔ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں ان کا سر قلم کر دیتا۔ اس وقت سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر 22 آپ کے حق میں نازل ہوئی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

”آپ اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اس شخص سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے جو اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے دشمنی رکھتا ہے خواہ وہ اُن کے باپ (اور دادا) ہوں یا بیٹے (اور پوتے) ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اُس (اللہ) نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور انہیں اپنی روح (یعنی فیضِ خاص) سے تقویت بخشی ہے، اور انہیں (ایسی) جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ اُن سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں، یہی اللہ (والوں) کی جماعت ہے، یاد رکھو! بے شک اللہ (والوں) کی جماعت ہی مراد پانے والی ہے“۔

(تفسیر روح المعانی، تفسیر سورۃ المجادلہ)

غزوہ بدر میں آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے مشرکین کے ساتھ اسلام کے خلاف جنگیں لڑتے تھے۔ جب وہ اسلام لے آئے تو ایک روز حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ابا جان! میدان بدر میں ایک موقع پر آپ میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے آپ کو باپ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ یہ سن کر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غیرت ایمانی سے بھرپور جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لٰكِنَّكَ لَوْ اَهْدَفْتَ لِيْ لَمْ اَنْصَرِفْ عَنْكَ.

”لیکن اگر تو میرا ہدف بنتا تو میں تجھ سے اعراض نہ کرتا“۔

یعنی اے بیٹے! اس دن تم نے تو مجھے اس لیے چھوڑ دیا کہ میں تمہارا باپ ہوں لیکن اگر تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو میں کبھی نہ دیکھتا کہ تم میرے بیٹے ہو بلکہ اس وقت تمہیں دشمن رسول سمجھ کر تمہاری گردن اڑا دیتا۔

(نوادر الاصول، امام ترمذی، الرقم: 496:1،710)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہر معاملہ آقا ﷺ کی محبت کی خاطر ہوتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ اس معاملے میں اپنے والدین اور اولاد وغیرہ کا بھی لحاظ نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بلند آواز سنائی دی۔ آپ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھا کر آگے بڑھے:

اَلَا اَرَاكِ تَرْفَعِيْنَ صَوْتَكِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

”یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آواز بلند کر رہی ہو“۔

یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو تھپڑ مارنے سے روکا۔ آپ رضی اللہ عنہ اسی طرح غصے کی حالت میں واپس تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے فوراً سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

كَيْفَ رَاَيْتِنِيْ اَنْقَذْتُكِ مِنَ الرَّجُلِ.

”دیکھا! میں نے تمہیں ان سے کس طرح بچایا“۔

چند دنوں کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو باہم راضی اور خوش دیکھا تو بارگاہ رسالت میں یوں عرض گزار ہوئے:

اَدْخِلَانِيْ فِيْ سِلْمِكُمَا كَمَا اَدْخَلْتُمَانِيْ فِيْ حَرْبِكُمَا.

”یارسول اللہ ﷺ! جس طرح آپ نے مجھے اپنی ناراضگی میں شریک کیا تھا، اسی طرح مجھے اپنی صلح (خوشی) میں بھی شریک فرمالیجیے“۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ فَعَلْنَا قَدْ فَعَلْنَا

”ہم نے آپ کو شریک کرلیا، شریک کرلیا“۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی المزاح، الرقم: 4999)

بقیہ: صفحہ نمبر 35 پر

ڈاکٹر محمد اطہر کا سانحہ ارتحال

اب میری نگاہوں سے ہر جلوہ گریزاں ہے
نظارے کو کیا کہیے منظر ہی پریشان ہے

گزشتہ روز جمعہ کی نماز میں امامت کے لیے لاہور جانے کی طبیعت نہیں بن رہی تھی لیکن اجتماع کی وجہ سے رفقائے سفر کو تیار کیا اور چل پڑا۔ راستے میں مصر سے یہ فون آیا کہ آپ کے خلیفہ مجاز عازم آخرت ہو رہے ہیں جلدی لاہور پہنچیں۔ ڈاکٹر محمد اطہر عظیم اور معروف دانشور تھے۔ میری ملاقات نہ ہو سکی اور آپ نے سانسوں کی بساط پہلے ہی پلٹ دی۔ ڈاکٹر اطہر جب جلوہ آرائے محفل ہوتے تو ہر سُو محبت میں جیسے ستارے جگمگا رہے ہوں۔ ایک مرتبہ ''ڈاکٹر بوگ ڈان'' اتفاق مسجد میں انگریزی خطاب کر چکے تو اطہر سے ملاقات میں پوچھنے لگے امریکہ جب آپ ڈاکٹریٹ کر رہے تھے وہاں کا کوئی قصہ سنائیں۔ آپ نے فرمایا:

''میں شاہ جی کا نوکر ہوں واقعات گھڑنے والا سراغ رساں نہیں۔ انسان کی دلچسپی کے لیے تصوف سے کوئی گہرا سمندر نہیں۔ ہمیں پوری توجہ سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے''۔

ڈاکٹر اطہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور سُچے عاشق تھے۔ ہر وقت درود شریف کی لطافتوں میں ڈوبے رہنا ان کا شعار تھا۔ وہ اسمِ ذات کا ذکر کرتے اور اپنے نقشبندی ہونے پر فخر کرتے، حسرت موہانی کا یہ شعر لبِ زباں رہتا:

کیا کیا آرزو، کہ بڑھیں دل میں حوصلے
رکھ دیں کبھی جو فرق ہوس پر وہ پائے ناز

ڈاکٹر محمد اطہر بائیس سال مکمل گوشہ نشیں رہے۔ آخری عمر میں دنیا سے بڑی کم دلچسپی رہی۔ ڈاکٹر محمد اطہر جب سے بیعت ہوئے تا دمِ مرگ ایک ہی منشور رکھا اور ایک ہی مرشد رکھا۔ ڈاکٹر محمد اطہر کا دستورِ زندگی یہی تھا ''پریم کی میرے لگی کٹاری''۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر محمد اطہر کی مغفرت کرے۔ ان کے پیر ہی نے ان کی نماز جنازہ کی امامت کی اس موقع پر سب سنگیوں کے جذبے یہی تھے:

جس کے ہے تو پریم کا پیاسا
اسی کی ہے ہر دل میں لاسا

سید ریاض حسین شاہ

او بستی آباد تھیوے جتھے یار مرے دی جھوک اے

رپورٹ سالانہ اجتماع منعقدہ 5 نومبر 2023ء

ڈاکٹر منظور حسین اختر

مفکر اسلام، مفسر قرآن، نباض قوم، حضرت پیر سید ریاض حسین شاہ جی کی حکمت مآب دینی سعی و کوشش دیکھ کر جہاں دل خوش ہوتا ہے وہیں ''یارانِ ملت'' کی ''محبتیں'' دیکھ کر تاریخِ اسلام کی بہت سی روایات یاد آجاتی ہیں۔ مثلاً حضور نبی کریم ﷺ بازار میں اعلائے کلمۃ الحق ادا کرتے جارہے ہیں لیکن بالکل پیچھے آپ ﷺ کا چچا ابولہب آپ ﷺ کی تکذیب کرتا جارہا ہے، قدم قدم پر اپنوں نے تکذیب کی، جھٹلایا، تکالیف کے پہاڑ کھڑے کیے لیکن مجال ہے کہ آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کے بلند قامت حوصلوں میں ذرّہ برابر بھی کمی آئی ہو۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے امتِ مصطفی ﷺ کو بچانے کی خاطر اپنے اقتدار کی قربانی دی لیکن ظلم دیکھیے بجائے اس کے کہ آپ کا احسان مند ہوا جائے آپ کو ''عار المسلمین'' کہا گیا۔ ان سب باتوں کے باوجود حضرت امام حسن علیہ السلام کا حوصلہ پست نہ ہوا۔ آپ اپنے راستے پر قائم رہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو قوم نے سینکڑوں خطوط لکھ کر بلایا لیکن شومئے قسمت ایک بھی ساتھ نہ دے سکا۔ کیا حضرت امام حسین کا حوصلہ پست ہوا؟ نہیں نہیں؟ آپ نے جامِ شہادت نوش کر لیا لیکن اپنے راستے کو نہ چھوڑا۔ دین کو نقصان نہ پہنچنے دیا۔ اسلام کی زیر کو زبر اور زبر کو زیر تک نہ ہونے دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام خصوصاً امام الانبیاء ﷺ کی سوانح مبارکہ، حیات طیبہ اور حضور ﷺ سے لے کر اہل بیت اطہار علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر تمام اولیاء کرام علیہ الرحمۃ والرضوان کی مبارک زندگیوں کا مطالعہ کر لیں، ان کے مشن کی راہ میں لاکھوں رکاوٹیں آئیں لیکن کوئی رکاوٹ ان کا راستہ نہ روک سکی۔ بیگانے تو دشمن بن ہی جاتے ہیں اپنوں نے بھی دشمنیاں مول لے لیں۔ ان سب رکاوٹوں کے باوجود انبیاء و اولیاء اپنے مشن سے پیچھے نہ ہٹے۔

بس یہی راستہ اہل اللہ کا ہے
لوگ مخالفت کرتے رہتے ہیں
بیگانوں کی دشمنیاں
اپنوں کی سنگ دلی
دوستوں کی بے وفائیاں
مخالفین کی چالیں
سب کچھ چلتا رہتا ہے لیکن اہل اللہ کی نظر اپنے راستے سے نہیں ہٹتی۔
وہ اپنی منزل کی جانب گامزن رہتے ہیں
ان کے پاؤں میں کوئی زنجیر نہ باندھ سکا
کوئی آفران کو خرید نہ سکی
کیونکہ ان کی نظر منزل آشنا ہوتی ہے
ان کے حوصلے پہاڑوں سے بلند نظر آتے ہیں
شاید اس لیے کہ وہ اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے خالق و مالک اللہ کے لیے کام کرتے ہیں
ان کا اٹھنا بیٹھنا اللہ کی رضا کیلئے ہوتا ہے
ان کا اوڑھنا بچھونا رضائے الٰہی کی خاطر ہوتا ہے
اللہ کی رضا ان کے حوصلوں کی مہمیز ہوتی ہے
نگاہِ رسول ﷺ ان کے لیے وجہِ اطمینان ہوتی ہے
ان کے قدوم میمنت نواز جنت کی سرزمین اور ان کی نظرِ امید جلوہ الٰہی میں کھوئے رہتے ہیں
اور یہی وجہ ہے کہ
''تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے''
سلام ہے شاہ جی آپ کے حوصلوں کو
سلام ہے آپ کی ہمت پر
سلام ہے آپ کے پختہ عقیدوں پر
سلام ہے آپ کی للّٰہیت پر
سلام ہے آپ کے خلوص پر
اور سلام ہے آپ کے جذبہ خالص پر
دشمن تو دشمن تھے ہی
اپنوں نے بھی کوئی کمی نہ چھوڑی
رویوں کی آگ جلی لیکن آپ کو طیش میں نہ لا سکی
سرد مہری کی برف گری لیکن آپ کے جذبے کو سرد نہ کر سکی
نفرتوں کے غبار اٹھے لیکن آپ کے مطمئن دل کو میلا نہ کر سکے

شروع دن سے لے کر آج تک جس راستہ اور جس مشن پر آپ تھے اسے کبھی فراموش نہ ہونے دیا۔

قرآن فہمی، عشق رسول ﷺ، تعظیم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور محبت آلِ رسول ﷺ کا جو سبق آپ نے پہلے دن دیا آج تک انہی راہوں پر اپنے رفقاء کو چلا رہے ہیں۔

اس دوران کیا کچھ نہیں ہوا لیکن آپ اپنے راستے پر گامزن رہے، آپ نے کسی آمر کے آگے سر نہ جھکایا، ہم پڑھتے تھے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی نے جہانگیر جیسے حکمران کے آگے سر کو جھکنے نہ دیا، آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وقت کے کتنے ہی ''جہانگیر'' مجدد پاک کے اس مریدِ باصفا کو جھکانے کی خواہش لے کر خود گھٹنوں کے بل لیٹ گئے، خود بک گئے، قوم کو بیچ دیا، ملت کا سودا کر لیا لیکن آپ کو خرید نہ سکے۔

سچ کہا کسی نے:

جو بجھ گیا ہو کوچۂ دیوارِ یار میں
اس بوریئے پہ تختِ سلیماں نثار ہو

ادارہ تعلیمات اسلامیہ سے لے کر جماعت اہل

سنت پاکستان کے سُنی سیکرٹریٹ تک، سینکڑوں مساجد کی تعمیر سے لے کر ان مساجد کے انتظام وانصرام تک دروس قرآن سے لے کر تفسیر قرآن کے اجتماعات تک لبیک یارسول اللہ کی صداؤں سے لے کر علی علی علی (علیہ السلام) کے ذکر تک، تقاریر سے تحریر اور پھر تفسیر قرآن کی مبسوط جلدوں تک، کوٹنالی کی وادی سے لے کر راولپنڈی، لاہور پھر پاکستان اور پھر پورے عالم اسلام تک کہاں کہاں آپ نے امت کی راہنمائی نہ کی قوم پر شفقتوں کے سائے پھیلا دیے اس میں کچھ اچنبھا نہیں کہ بعض سمجھ نہ سکے لیکن بہت سے سمجھ کر بھی ناسمجھ رہے، ویسے ہی جیسا کربلا میں ہوا تھا، کس کو علم نہ تھا کہ امام حسین سچے ہیں؟

سب جانتے تھے کہ یہ وہ چہرہ ہے جسے امام الانبیاء
چومتے رہے
یہ وہ مبارک جسم ہے جو مہر نبوت پر کھیلتا رہا
لیکن کیا اسی مبارک جسم پر گھوڑے نہیں دوڑائے گئے؟
علم سب کو ہوتا ہے لیکن اظہار کوئی کوئی کرتا ہے
وفا سب کی قسمت میں نہیں ہوتی
دنیا اور دنیا داروں کی مخالفت آسان کام نہیں

شاہ جی کو اگر کسی نے نہیں سمجھا تو کیا ہوا، جنہوں نے سمجھا، جنہوں نے جانا، جنہوں نے پہچانا وہ کم تو نہیں آج کا اجتماع اس بات کی بین دلیل ہے۔

عوام کا جمِ غفیر، ہر سال پہلے کی نسبت بڑا اجتماع، لوگوں کی محبت وعقیدت کا برملا اظہار، یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں شاہ جی کی محبت ایسے ڈال دی ہے کہ لاکھوں فتوے بھی اس محبت کا ختم نہیں کر سکتے۔ سچ ہے جس کی محبت اللہ ڈال دے اسے کون نکال سکتا ہے۔

پہلی نشست

پانچ نومبر 2023ء کی محفل اصل میں تین محافل کا مجموعہ تھی۔ شاہ جی درس نظامی کی تکمیل پر علماء کرام کی دستار بندی رات کے پچھلے پہر نماز تہجد کے وقت فرماتے ہیں، یقیناً اس میں علماء کرام کے لیے سبق ہے کہ آپ نے دین اسلام کی تعلیم لوگوں کو دکھاوے کے لیے حاصل نہیں کی بلکہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے حاصل کی ہے اور تہجد کے وقت کی گئی دستار بندی یہ پیغام دیتی ہے کہ رات کی تنہائیوں میں، لوگوں کی نظروں سے اوجھل بھی ایک دنیا ہے جسے عشق اور عاشق کی دنیا کہا جا سکتا ہے۔ جہاں بس محبوب ہوتا ہے اور محب، عاشق ہوتا ہے اور معشوق، یہ وقت اغیار سے پاک ہوتا ہے، یہاں صرف خلوص ہوتا ہے، للّٰہیت ہوتی ہے، رضائے الٰہی ہوتی ہے۔

حسب معمول رات کے تین بجے علماء کرام کی دستار بندی فرمائی گئی۔ ایک ایک عالم دین کو عزت و احترام کے ساتھ سٹیج پر بلایا گیا اور شاہ جی کے علاوہ مقتدر شخصیات کے ہاتھوں ان کے سروں پر دستار سجائی گئی۔ تفصیل اگلی سطروں پر پیش کی جائے گی۔

دستار بندی کے بعد ایک نعت سنی گئی اور پھر شاہ جی اپنے حاضرین سے گویا ہوئے:

سادات کرام! مشائخ عظام! پیرانِ طریقت! دینی و یقینی بھائیو! قابل احترام بہنو!

میں سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس مشکل وقت میں آپ تشریف فرما ہوئے۔

ایک خاص جذبہ، ایک خاص کیفیت میں شاہ جی نے فرمایا:

یہ معمول عرصہ دراز سے چلا آ رہا ہے کہ دستار بندی کا وقت یہی ہوتا ہے، خود سے بچھڑنے والے بچوں کے ساتھ نمازِ تہجد کی دو رکعتیں اس لیے ادا کی جاتی ہیں کہ معاشرے میں دینی خدمت کے معاملہ میں اللہ ان علمائے کرام کا مددگار ہو جائے۔

سورۂ حجرات کی ایک آیت کریمہ کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ تم کو ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ گویا ایمان کا ملنا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے جس کو اللہ نصیب فرمائے۔ آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کردار میں صدق کو ساتھ جوڑا گویا علماء کرام کو سبق دیا جا رہا ہے کہ اپنے کردار سے ثابت کریں کہ اللہ کے اس احسان پر شکر گزار سپاس ہیں کہ ایمان نصیب ہوا“۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث کے حوالے سے شاہ جی نے فرمایا کہ مومن کی صفات میں ایک نشانی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ وہی لوگ معزز ہوتے ہیں جو اپنے وسائل دین کی ترقی کے لیے استعمال کرتے ہیں پھر اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور چراغ سے چراغ روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔

شاہ جی کا ایک خوبصورت جملہ ملاحظہ فرمائیں:

”کتابیں رکھنے سے وہ احترام نہیں ملتا جو قربانی دینے والے کو ملتا ہے“۔

علماء کرام میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرتے ہوئے فرمایا:

”مجھے شرمندگی ہے کہ جو کرنا چاہیے تھا وہ نہ کر سکے، ہمارے آباء واجداد نے جو دین کی خاطر کیا ہے کیا ہم وہ کچھ کر رہے ہیں؟ اپنے آپ کو ضائع نہ کریں، اغیار کا مقصد پورا نہ کریں، اپنے آپ کو کارآمد بنائیں، اپنے علم کو علم نافع بنائیں“۔

وہ لوگ جو انفاق کی راہ میں غربت کا بہانہ بناتے ہیں ان کی تربیت فرماتے ہوئے شاہ جی نے ایک خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا:

”اخلاص تھوڑے وسائل کو بابرکت بنا دیتا ہے“۔

”ہم دوسروں سے چندہ مانگتے ہیں لیکن خود کیا کرتے ہیں؟؟؟“

مومن کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ امن و امان کو پوری دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرنا۔ فرمایا کہ حکمت کے بغیر دنیا کو گہوارہ امن بنانا مشکل ہے۔

اپنے خوش قسمت تلامذہ سے بطور نصیحت فرمایا:

”قرآن سے وابستہ رہیں، گندے ماحول سے لوگوں کو نکالیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا: اچھا مومن وہ ہے جس پر لوگ اعتماد کریں حتیٰ کہ اپنے جان و مال کا امین بنا دیں۔ فرمایا کہ لوگوں کی روحانی امانتوں کو لوگوں تک پہنچائیں“۔

ایک مومن کی تیسری صفت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ مسلمان ہر وقت اللہ کے ذکر میں رہتا ہے، عبادت میں مشغول رہتا ہے۔

علماء کرام سے شاہ جی نے فرمایا کہ مجھے تم سے بہت امیدیں ہیں، آپ حوصلے سے کام لینا۔ مولا علی نے فرمایا ہے کہ سب سے کمزور وہ ہے جو حالات کے سامنے پسپا ہو جائے۔ شاہ جی کے ایک شاگرد جو عالم دین تھے باہر کے کسی ملک میں خدمت دین کا کام چھوڑ کر ٹرک چلانے لگے، تو شاہ جی نے اس پر افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ جب مجھے علم ہوا کہ وہ دین کی خدمت چھوڑ کر ٹرک چلانے لگا ہے تو میں افسردہ ہو گیا۔

گویا اپنے تلامذہ میں شاہ جی ایک ہمت، ایک جذبہ اور ولولہ تازہ پیدا کر رہے تھے کہ حالات جیسے بھی ہو جائیں حضور ﷺ کے دین کی خدمت سے پیچھے نہ

ہٹنا، اللہ تمہارے حالات خود بخود درست فرما دے گا۔

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے بھی جو تارہ تو زمیں پر نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
لیکن کبھی دریا میں سمندر نہیں گرتا

شاہ جی کی زندگی کا ایک بڑا مقصد اُمتِ رسول ﷺ کو قرآن سے جوڑنا ہے اور کسی مقام پر شاہ جی نے اپنا یہ مقصدِ زیست فراموش نہیں ہونے دیا۔ اسی لیے اپنے شاگردوں میں یہ جذبہ پیدا کرنے کے لیے شاہ جی نے یہ قانون بنایا ہے کہ اس وقت تک کسی کو سند و دستار عطا نہیں ہوگی جب تک وہ اپنے ہاتھوں سے قرآن پاک کی کتابت نہیں کر لیتے، چنانچہ اس کلاس کے علماء کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے قرآن کا حرف حرف اپنے قلم سے قرطاس پر سجانے کا اعزاز حاصل کیا۔ اسی وجہ سے شاہ جی اپنے خطاب میں فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کے ہاتھ چوموں اس لیے کہ انہوں نے ان ہاتھوں سے قرآن لکھا ہے۔

حالات حاضرہ پر دکھی دل سے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اہل سنت کو تباہ کیا جا رہا ہے، سنیوں کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے، عوام الناس کو صوفیاء کے راستے سے ہٹایا جا رہا ہے، اعتماد بکھر چکا ہے۔ اسی لیے شاہ جی نے اپنے نصاب میں صوفیاء کی کتابوں کو بھی شامل کیا ہے۔ آخری جملہ میں تربیت کا رنگ بھرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''خشک چشمے نہ بننا، ساری زندگی اللہ کا ذکر چلتا رہے، جو دین کا کام کرے گا میں اس کے ساتھ ہوں۔ سدا خوش رہیں''۔

پھر باجماعت نفل ادا کیے گئے دو رکعات تو شاہ جی نے خود امامت فرمائی پھر علالت کی وجہ سے آپ کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور علامہ بشیر القادری صاحب جو شاہ جی کے خلیفہ محترم بھی ہیں انہوں نے آٹھ رکعتیں مکمل فرمائیں۔

دوسری نشست

دوسری نشست اتوار کے روز صبح ساڑھے دس بجے شروع ہوگئی، شیخ قاسم صاحب نے نقابت کے فرائض سرانجام دیے، فرمایا شاہ جی کا لنگر ہمیشہ جاری رہتا ہے چونکہ یہ دوسری نشست ختم شریف کی محفل تھی اس لیے اس کے اپنے آداب ہوتے ہیں، شیخ قاسم نے حاضرین کو تربیتاً فرمایا کہ یہ ذکر کی محفل ہے اس لیے اس میں نعرے وغیرہ نہیں لگیں گے۔

علامہ بشیر القادری نے ختم شریف پڑھا۔

شاہ جی قبلہ نے اپنی گفتگو کا آغاز اس دل سوز دعا سے فرمایا کہ میں تمام بزرگوں، مشائخ، آبا و اجداد، اولیاء کے قافلے، سب کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ ان سب کے درجات میں بلندی عطا فرمائے، اللہ ہم سب کے مسائل حل فرمائے اور گناہوں سے نجات عطا فرمائے۔ مسلمانوں کی مایوسیاں ختم فرمائے، قافلہ اسلام اور کاروانِ اسلام کو باعث تکریم بنائے انہیں منزل عطا فرمائے۔

شاہ جی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تقریباً 1000 کے قریب خطبات ارشاد فرمائے ہیں اور آج ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے کن چیزوں پر زور دیا ہے۔

لفظ خلفاء پر روشنی ڈالتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ قرآن پاک میں خلفاء کا لفظ دو طرح آیا ہے:

''خَلَفَا یعنی جانشین ہونا۔ ظاہر و باطن میں اپنے شیخ کی فوٹو کاپی ہونا۔ اسی طرح دوسری جگہ ''خَلف'' یعنی نالائق ہونا، انجان ہونا، Careless کا شکار ہونا''۔

شخصیت سازی کے بارے فرمایا کہ اسلام شخصیت سازی فرماتا ہے، Personality making کرتا ہے، اس لیے تورات کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام، زبور کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام، انجیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قرآن کے ساتھ امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا گیا۔

نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا تو حضور ﷺ کے بعد ہر دور میں شخصیت کا جہانِ تازہ دکھائی دیتا ہے یعنی اب اللہ والے حضور ﷺ کی تعلیمات کو انسانوں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

شاہ جی نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی مبارک نظر سے لوگ بڑے بن گئے۔ حتیٰ کہ

''دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں''

آپ نے تربیتی نقطۂ نظر سے فرمایا کہ مادی ضرورتوں کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، رسول اللہ ﷺ نے کمزور مسلمانوں کو قوی بنایا ہے حتیٰ کہ فرمایا ہے مضبوط مسلمان کمزور مسلمان سے بہتر ہے۔

اس نشست میں بھی قرآن سے رجوع کا پیغام دیتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ

''قرآن پڑھنے والوں کو بن مانگے ملتا ہے''۔

اور مولا علی علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''حضور ﷺ نے قرآن کو علی (علیہ السلام) سے اور علی (علیہ السلام) کو قرآن سے جوڑا ہے''۔

پھر آج کی بہت بڑی غلط فہمی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ مولا علی علیہ السلام کا ذکر صحابہ کرام کی عظمت کی نفی نہیں ہے۔ قرآن اور آلِ رسول کے تعلق کی وجہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام کی ذوات گرامی قدر تو 110 ہجری تک دنیا سے روپوش ہوگئیں لیکن آلِ رسول قیامت تک باقی رہیں گے اسی لیے حضور ﷺ نے قرآن کو آلِ رسول ﷺ سے جوڑا تاکہ علم ہو جائے کہ قرآن بھی زندہ رہے گا اور آلِ رسول ﷺ بھی قائم رہیں گے اور دین اسلام کا پرچم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سربلند رہے گا۔

دورِ حاضر کے فتنوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ جی نے دکھ بھرے انداز سے فرمایا کہ ''فرقہ واریت نے ستیاناس کر دیا ہے ہم حیدر حیدر کرنے سے بھی غصہ کھانے لگے ہیں''۔

ایک خوبصورت دلیل ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ اور دیگر صوفیاء کرام کی کتابیں تربیت میں منزل آشنا ہیں تو قرآن کی شان کیا ہوگی''۔

حضرت سیدہ خاتون جنت علیہا السلام کے بارے فرمایا کہ آپ نے باغ فدک کے سلسلہ میں کوئی غلطی نہ کی بلکہ اپنا فرض پورا کیا تھا۔ مولا علی کے بارے میں فرمایا کہ خلیفہ راشد جب کوئی فیصلہ کرتے تو مولا علی ان کو مدد فراہم کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس معاملہ میں قرآن کی فلاں آیت پڑھ لیں، مولا علی دوستوں کے لیے ریشم تھے۔

آج کے دور میں مسلمانوں پر ذلتوں کے امڈتے ہوئے طوفانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: آج کے دور میں اتنی ذلتیں کیوں؟ صرف اس لیے کہ ہم قرآن سے دور ہو گئے، کتاب اللہ کو چھوڑ بیٹھے۔ قرآن سے گناہوں کا ازالہ ہوتا ہے، قرآن کی بنیاد پر دوستی کریں، زندگی کا سفر طے کریں۔

درود پاک پر گفتگو کرتے ہوئے شاہ جی نے ارشاد فرمایا: جتنا ہو سکے درود پڑھیں، درود پاک کی کثرت سے قرب ملے گا، غلام کی آقا سے ملاقات ہو

گی، سچی عزت ملے گی۔

ذکر پر تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''لالہ جی علیہ الرحمہ ہر مسئلے کا حل اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے''۔

اچھی صحبت کے بارے فرمایا:

اچھی جگہ میں تو ذکر مضبوط ہوتا ہے، یعنی اہل اللہ کی صحبت کو اختیار کرنا چاہیے۔ اگر تر شاخ (جو کہ اللہ کا ذکر کرتی ہے) قبر میں لگے تو قبر والے کو فائدہ دیتی ہے سمجھ لیں کہ حضور ﷺ کا امتی جو ذاکر ہے اس کی صحبت میں بیٹھنے کا کتنا فائدہ ہوگا۔

اپنی والدہ محترمہ علیہا الرحمہ کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ان کے پاس قرآن پاک کا ایک صحیفہ تھا جو موٹے حروف سے لکھا ہوا تھا، والدہ محترمہ نے اسے پانچ سو مرتبہ پڑھا ایک خاتون نے شاہ جی سے موٹے حروف کا قرآن مانگا تو شاہ جی نے اس خاتون کو اپنی والدہ والا قرآن تحفہ میں دے دیا، وہ خاتون بھی کوئی ادب جاننے والی تھی اس نے بھی اس قرآنی نسخے کو پانچ سو مرتبہ ہی پڑھا اور ادباً اس سے زائد نہ پڑھا اور شاہ جی کو واپس لوٹا دیا، اب شاہ جی نے فرمایا کہ میں اس کو 307 مرتبہ پڑھ چکا ہوں۔

یاد رہے کہ اس عمر اور اس علالت کے باوجود شاہ جی روزانہ دس پاروں کی تلاوت فرماتے ہیں، تفسیر و حدیث وخطبات اور تعلیم و تعلم دیگر مصروفیات اپنی جگہ الگ ہیں۔

سچ ہے کہ

''ایں سعادت بزور بازو نیست''

شاہ جی نے حضرت علامہ شیخ محمد قاسم صاحب کو قرآن پڑھانے پر ایک لاکھ روپے کا انعام بھی عطا فرمایا۔

حاضرین و سامعین کو عملی دعوت دیتے ہوئے شاہ جی نے ارشاد فرمایا:

اپنی ذات کا مطالعہ کریں، کون سی عادت اچھی ہے اور کون سے بری۔ صاف کو قبول کریں اور گندی کو چھوڑ دیں۔ گندی صحبتیں، گندا ماحول چھوڑ دیں۔ مشاغل روحانی بنائیں۔

مولا علی علیہ السلام کی محبت کا چراغ اپنے حاضرین کے دلوں میں روشن فرماتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا:

''ہم علی کو چھوڑتے نہیں اور کسی کی مخالفت نہیں کرتے''۔ پاکستانی فوج کا سب سے بڑا بہادری کا نشان ہی ''نشانِ حیدر'' ہے۔

دوسری نشست کے بعد نماز ظہر ادا کی گئی اور اس کے کچھ دیر بعد تیسری نشست کا آغاز کر دیا گیا۔

ہر نشست میں جناب علامہ شیخ محمد قاسم صاحب اپنے سامعین و حاضرین کو ہدایات و آداب سے نوازتے رہے، شیڈول بتاتے رہے کیونکہ آپ ہی شاہ جی کے پروگرامز کے منتظم اعلیٰ ہوتے ہیں۔

تیسری نشست

تیسری نشست تقریباً ڈیڑھ بجے شروع ہو چکی تھی۔ نقابت کا سہرہ ہمارے سنگی جناب صفدر علی محسن کے سر سجایا گیا۔ جنہوں نے ہمیشہ کی طرح محبت آمیز جملوں سے نقابت کا حق ادا کر دیا۔ قاری محمد مشتاق انور کی تلاوت اور شہزاد حنیف مدنی کی نعت سے تیسری نشست کا آغاز ہوا۔

پہلا خطاب

پہلی تقریر اسلام آباد ہائی کورٹ کے سابق جج جناب فیاض احمد جندران کے حصے میں آئی، جنہوں نے بہت سلجھی کوئی گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ علم عمل کا نام ہے۔ انہوں نے کہا کہ غالباً حضرت علی (علیہ السلام) کا ہی قول ہے کہ باتیں تو مداری بھی بہت اچھی کرتے ہیں۔ آپ کے کردار کو دیکھ کر لوگ کہیں کہ آپ کا استاد بہت اچھا ہے۔ آپ کے بارے کوئی جھوٹ کی تہمت نہ لگا سکے۔ ایک معروف حدیث کا ابلاغ کرتے ہوئے معزز جندران صاحب نے کہا کہ منافق جھوٹ بولتا ہے، خیانت کرتا ہے اور وعدہ خلافی کرتا ہے جبکہ ہمیں ان کاموں سے بچ کر زندگی بسر کرنا ہے۔

دوران پروگرام گاہے گاہے علمائے کرام میں اسناد کی تقسیم کی جاتی رہی۔ علمائے کرام کو سٹیج پر بلانے کی دعوت اور اسناد دینے کے لیے مہمانانِ گرامی کو سٹیج پر دعوت دینے کی اہم ذمہ داری استاذ العلماء حضرت مفتی محمد لیاقت علی صاحب نے ادا کی۔ آپ فرداً فرداً علماء کرام کا تعارف بھی کرواتے رہے اور ساتھ ساتھ اسناد بھی دلواتے رہے۔

دوسرا خطاب

دوسرا خطاب ڈاکٹر طاہر رضا بخاری کا تھا جو کہ بچپن سے شاہ جی کے ساتھ محبتوں کا رشتہ نبھا رہے ہیں۔ ہر نازک سے نازک موڑ پر آپ نے شاہ جی سے وفا نبھائی ہے اور شاہ جی نے بھی شفقتوں کے دریا بہانے میں کوئی کسر کبھی باقی نہ چھوڑی۔ اللہ محبتوں کے ان مناظر کو ہمیشہ قائم رکھے۔

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری نے کہا کہ میرے لیے شاہ جی کی محفل میں آنا اور پھر گفتگو کا موقع ملنا باعث صد افتخار ہے۔

علامہ اقبال کے اشعار میں ڈاکٹر طاہر رضا بخاری نے بہت بڑا پیغام حاضرین وسامعین کو عطا کر دیا:

ہوں مرید خاندان خفتہ خاک نجف
موج دریا آپ لے جائے گی ساحل پہ مجھے
رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں مَیں
کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثر مجھے

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری نے معروف حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ترقی کا زینہ علم ہے اور حضور ﷺ نے بتا دیا ہے کہ

انا دار الحکمۃ و علی بابھا

''میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے''

دوسری حدیث میں:

انا مدینۃ العلم و علی بابھا

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے''۔

ڈاکٹر طاہر بخاری نے کہا کہ خاندانِ رسول ﷺ کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ انہوں نے دین کے علم کو محفوظ کیا اور دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا اور اس کا ایک خوبصورت منظر شاہ جی قبلہ کی ذات والا صفات ہے۔ شاہ جی کی بابرکت ذات سے ساری دنیا نصف صدی سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ آپ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ شاہ جی کے اس سائبان کو ہمیشہ ہمیشہ فراواں رکھے۔

تیسرا خطاب

تیسرا خطاب لاہور ہائیکورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب محمد قاسم خان کا تھا جنہوں نے علمِ دین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ علماء جنہوں نے دینِ رسول ﷺ کا علم حاصل کیا ہے یہ ہم سے بہت افضل ہیں، یہ اصحاب کہف کی طرح ہیں کہ جنہوں نے دین کی خاطر وقف کیا۔ سابق چیف جسٹس نے کہا کہ اسلام عمل کا نام ہے۔ ہمیں عملی طور پر مسلمان بننا چاہیے۔

چند علماء کو اسناد کی تقسیم کے بعد دل و روح سے صوفیانہ کلام پڑھنے والے معروف ثناء خواں جناب عظمت صابری نے نعت رسول مقبول ﷺ و منقبت کی سعادت حاصل کی اور پھر چوتھے خطاب کی باری آئی۔

سجائے بیٹھے ہیں ہم بھی غریب خانے کو
خبر ملی ہے کہ تشریف لا رہے ہیں حسین (علیہ السلام)

یزید تخت پہ بیٹھا ہے پھر بھی کانپتا ہے
یہ سن لیا ہے کہ نیزے پہ آ رہے ہیں حسین علیہ السلام

چوتھا خطاب

چوتھا خطاب ملتان سے تشریف لانے والے شاہ جی کے نہایت مخلص ساتھی جناب قاری فیض بخش رضوی کا تھا۔ جنہوں نے کہا کہ شاہ جی سنیوں کے شہنشاہ اور یہ مرکز اہل سنت ہے یہاں اس بزم میں بڑی عظمت، شان وشوکت کے حامل حضرات تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جہاں اللہ ورسول ﷺ خصوصاً مولا علی کا ذکر ہو رہا ہو وہاں شیطان کا کیا کام، یہ وہ محفل ہے کہ جہاں سے شیطان بھاگتا ہے، قاری فیض بخش رضوی نے کہا کہ ادارہ تعلیمات اسلامیہ سے دینِ رسول ﷺ کا پرچم تھامے علمائے کرام دنیا کے کونے کونے میں جا کر اشاعت اسلام کے فرائض نبھا رہے ہیں۔ اپنے زوردار اور دل نشیں خطاب میں کہا کہ شاہ جی کی شان میں جس جس نے جہاں جہاں بھی کچھ کلمات کہے ہیں انہیں شائع کیا جائے تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ سنیوں کے قائد بھی شاہ جی ہیں اور سنیوں کے شہنشاہ بھی شاہ جی ہیں اور فکر رضا کے پاسباں بھی قبلہ شاہ جی ہیں۔

سنیوں کا شہنشاہ ریاض شاہ ریاض شاہ کے نعرے لگاتے ہوئے قاری فیض بخش رضوی نے اپنی محبتوں کے اظہاریئے کو اختتام پذیر کیا اور پھر لوگوں کا انتظار ختم ہونے کی گھڑیاں آ گئیں۔

جناب صفدر علی محسن نے شاہ جی کے خطاب کا پُر مسرت اعلان کیا اور یوں عوام کا جمِ غفیر ایسا ساکت ہوا گویا مجسم کان بن گیا:

لوں لوں میرا اکھیاں ہو جاوں
محتاج نہ میں اس اکھ دا رہواں

حیدر حیدر کی صداؤں میں شاہ جی نے مائیک سنبھالا اور یوں گویا ہوئے:

ہمارے جلسے کی صدارت محترم دیوان صاحب فرما رہے ہیں پیر شمیم صابر، پیر سید جابر علی شاہ کی شفقت، محترم قاسم صاحب، فیاض جندران، پیر سید طاہر رضا شاہ، اہل مناصب، علماء مشائخ، ڈاکٹرز، انجینئرز، وکلا، ہزاروں میں خواتین، راجہ آصف کو دیکھ کر خوش ہوا، پیر ولی الرحمان کے پی کے سے تشریف لائے۔ ہر آدمی ایک حوالہ رکھتا ہے ان کی عظمت کو سلام۔ میرے نہاں خانہ دل میں آپ سب کی بڑی قدر ہے، غیب کی دعائیں پُر خلوص ہوتی ہیں۔ عصر کی نماز کا وقت قریب ہے، طویل خطاب نہیں کرتا۔ لفظ کم سمجھیں تو یہ بے مہری نہیں ہے۔

انگریزی کتاب ''باتیں ان کی تائید ہماری'' کے حوالے سے شاہ جی نے جو نکات اپنے سامعین کو عطا کیے آیئے انہیں اپنے قلوب واذہان میں روشنی کا سبب بناتے ہیں:

کتاب کے نام کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ گویا یہ افکار کسی سے لیے گئے ہیں۔ غالباً اس کتاب کے مؤلف نے یہ کتاب اسلامی مفکرین خصوصاً مولا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر بزرگان دین کے اقوال سے اخذ کیے گئے نکات پر لکھی ہے۔

حضرت علی کے ایک قول کا خلاصہ اس کتاب میں لکھا کہ

Who is helping you don't forge t them.

''جو لوگ تمہارے مددگار ہوں ان کو کبھی نہ بھولیں''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان کو قوی کرتے ہیں۔ حضرت علی ہمارے ایمان کی مدد کرتے ہیں۔ اس اجتماع کا لُبِ لباب یہ ہے کہ جو آدمی آپ کے ساتھ احسان کرے اس کو فراموش نہ کرو۔ اپنے اندر شکر اور سپاس گزاری کی عادت پیدا کرو۔ منصب پر ہو کر عاجزی کرنا بہت بڑی بات ہے، چیف جسٹس قاسم صاحب جب عہدے پر تھے تو میرے پاس کئی مرتبہ رات کو آ جاتے کہتے کہ میرا اور آپ کا رشتہ درود کا سانجھا ہے۔ ان کے والد گرامی نے دو کروڑ مرتبہ درود پاک پڑھا ہے۔ ایسی نسبتیں تلاش کرو، معاشرہ بھوکا ہے اس کی پیاس بجھانے کی کوشش کرو۔

شاہ جی نے سابق وزیراعظم میاں شہباز شریف کے ادارہ تعلیمات اسلامیہ میں آ کر شاہ جی کے گھٹنوں کو چھونے پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہا کہ میرے چھپانے کے باوجود میاں شہباز شریف صاحب نے تمام لوگوں کے سامنے میرے گھٹنوں کو چھوا اگرچہ میں ایسی باتوں کا اظہار نہیں کرتا۔

درد مند دل کے ساتھ لوگوں کو پُر خلوص دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ جس آلِ رسول ﷺ پر نماز کے اندر درود پڑھتے ہو اس کو نماز کے باہر مت بھولو۔

جس طرح نماز میں آلِ رسول کو یاد کرتے ہو کبھی نماز کے باہر گلی کوچوں میں بھی حیدر حیدر کی صدائیں بلند کر دیا کریں۔

یہ کہنا تھا کہ فضا حیدر حیدر کی صداؤں سے گونج اٹھی۔

مذہبی دنیا میں قتل وغارت بہت بڑا مسئلہ ہے۔ لوگ اسلام کے نام پر ایک دوسرے کو قتل کرنا عین اسلام سمجھ بیٹھے ہیں لیکن شاہ جی نے فرمایا کہ آپ پچیس سال جماعت اہل سنت کے سربراہ رہے ہیں ان کے دور میں ایک بندہ بھی قتل نہیں ہوا۔ شاہ جی نے فرمایا کہ ہم نے امن کو پروان چڑھایا ہے۔ ہم امن کے داعی ہیں۔

آپ نے اپنے متعلقین کو امن کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

''بچے!!! تم بارود والے نہیں ہو بلکہ درود والے ہو''۔

اس میں کیا شک ہے کہ مسلمان تلوار بھی پاس رکھتا ہے بلکہ ''ذوالفقار'' تو مولا علی علیہ السلام کی یاد دلاتی ہے۔ لیکن قرآن کا ہی پیغام ہے کہ مسلمان ''رحماء بینھم'' کی تصویر ہوتے ہیں۔ ان کی تلواریں اپنوں کی گردنیں نہیں کاٹتیں۔ ان کی زبانیں اپنوں کے دل زخمی نہیں کرتیں، یہ باہم شیر وشکر ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی اللہ ورسول ﷺ کا گستاخ ہو تو پھر یہ مجسم شمشیر برہنہ بن جاتے ہیں۔ افسوس ہم اپنوں اور غیروں کے ساتھ رویوں میں فرق بھول بیٹھے ہیں۔ اسی بات کی طرف شاہ جی نے اشارہ کیا کہ

تم بارود والے نہیں درود والے ہو۔ آپس میں رحمتیں بانٹنے والے ہو۔ ایک دوسرے کی عزتوں کے محافظ ہو۔ کسی کی پگڑی اچھالنا مسلمان کا کام نہیں۔

درود شریف پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ درود شریف عزت ہے۔

سابق سیکرٹری اوقاف جناب سید شفیق حسین کی محبتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک فوٹو سیشن کے دوران انہوں نے میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تو میں نے فوٹو گرافر سے کہا کہ ابھی فوٹو نہ لینا جب یہ ہاتھ ہٹا لیں تب تصویر بنانا تو انہوں نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر کہا کہ لو اب بناؤ فوٹو۔ پتا چلے کہ میں شاہ جی قبلہ کا نوکر ہوں۔

شاہ جی کا ایک خوبصورت جملہ ملاحظہ فرمائیں:

''محبت ایسی خوشبو ہے جو کبھی چھپ نہیں سکتی اور نفرت ایسی چیز ہے کہ یہ چھینٹے لگنے کے بغیر رہ نہیں سکتی''۔

قرآن سے محبت شاہ جی کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ

نے اپنے متعلقین کے سینوں میں جس طرح قرآن کی محبت پیدا کی ہے یہ آپ ہی کی شانِ امتیاز ہے۔ شاہ جی نے قریب پڑے قرآنی نسخوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ قرآنی نسخے ہیں جنہیں ان فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام نے لکھا ہے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ میں ان علماء کے ہاتھ چوموں گا کہ انہوں نے قرآن لکھا ہے۔

فرمایا: ہم نظریاتی لوگ ہیں، ہمارا مقصد ہے کہ ہمارا رب راضی ہو جائے۔

اُس انگریزی کتاب کے دوسرے قول کے بارے ارشاد فرمایا کہ

Who is loving you dont hate them.

''جو آدمی آپ سے محبت کرتا ہے اس سے نفرت کبھی نہ کرو''۔

گندے میلے لوگ حضور ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ ہم آپ سے ہاتھ ملانا چاہتے ہیں تو حضور ﷺ انہیں اجازت عطا فرماتے ہیں کہ آ جا میری آغوشِ کرم میں آ جا۔

خواجہ غریب نواز گندے مندے ہندوؤں کو دل سے لگایا۔

حضور ﷺ کے کرم کی ایک بات سناتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ ایک فاحشہ عورت نے بے باکانہ انداز سے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ جو کچھ کھا رہے ہیں مجھے بھی دیں تو حضور ﷺ ناراض نہیں ہوئے بلکہ اپنے دہن مبارک سے کھجور کا ٹکڑا نکال کر فرمایا کہ لو کھاؤ اور جب اس عورت نے حضور ﷺ کا پس خوردہ تبرک کھایا تو فوراً کہنے لگی کہ میں نہا کر آتی ہوں مجھے بھی کلمہ پڑھا دیں مسلمان کر دیں۔

جو کام محبت کر سکتی ہے وہ نفرت نہیں کر سکتی۔

تیسرا قول:

Who is believing you dont cheat them.

''جو آدمی آپ پر یقین کرتا ہے اس کو کبھی دھوکہ نہ دیں''۔

شاہ جی نے فرمایا کہ دھوکہ تو کسی کو بھی نہیں دینا چاہیے لیکن اپنوں اور بھروسہ کرنے والوں کو دھوکہ دینا نہایت قبیح ہے۔

ایک خوبصورت پیغام ملاحظہ فرمائیے:

''جن پر نماز میں درود پڑھتے ہو نماز کے بعد ان کو چٹکیاں نہ کاٹا کرو''۔

حیدر حیدر کی فلک شگاف صداؤں نے دل و دماغ کو مسحور کر دیا۔ ہر شخص حیدر حیدر کی صدائیں بلند کر رہا تھا۔

فرمایا: ہم سب پنجتنی ہیں۔

چوتھا قول:

ہمیشہ بڑی سوچ اپناؤ:

اگر کوئی بندہ پاگل ہو، ہر شخص کو تکلیف پہنچاتا ہو اور وہ کہے کہ میرے ساتھ دوستی کرو، دوسری جانب جناب شفیق حسین بخاری جیسا قابلِ احترام شخص ہو تو آپ کس کے ساتھ دوستی کرو گے؟ یاد رکھنا اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو تو کبھی پاگل کے ساتھ دوستی نہ کرنا اونچے لوگوں سے دوستی کرو۔ وہ آپ کو اپنی صحبت سے اچھا بنا دیں گے۔

اب آپ خود سوچ لیں یزید گندگی کا نام ہے اور امام حسین علیہ السلام ستاروں سے بھی زیادہ بلندی کا نام ہے کس کے ساتھ دوستی کرنا پسند کرو گے۔

حیدر حیدر کے نعروں کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے شاہ جی نے کہا کہ یہودی سر پر چڑھے ہوئے ہیں اب بھی حیدر حیدر نہیں کرو گے تو کب کرو گے؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ یہودی کس سے خائف ہیں؟ یہ بھیڑیے (یہودی) جس ہستی سے ڈرتے ہیں اس کے نام کے نعرے لگاؤ۔

ذکر علی (علیہ السلام) اور مولا علی (علیہ السلام) کے نام کے نعروں پر قبلہ شاہ جی نے فرمایا کہ حکمت سمجھو، اس میں کئی پوشیدہ حکمتیں ہیں کیا وجہ ہے کہ جنرل عاصم منیر نے بھی نعرہ حیدری لگایا ہے، کیا وہ توحید و رسالت کو نہیں مانتے یقیناً مانتے ہیں لیکن جہاں جو نعرہ کام آنے والا ہو وہاں وہی نعرہ لگایا کرو۔

یہودی کہتے ہیں کہ مسلمانو!

Khyber was your last chance.

یہودی خیبر کے دروازے کو توڑنا اب بھی یاد کرتے ہیں کیا مسلمانو! تم اب بھی حیدر حیدر نہ کرو گے؟

حالاتِ حاضرہ میں یہودیوں کے مقابلے کے لیے ہمیں مولا علی علیہ السلام کے ذکر کو فروغ دینا اور ان کی محبت کو عام کرنا ہو گا۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ جی نے ارشاد فرمایا کہ سر کا تاج اور پاؤں کی جوتی کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ یہود مولا علی علیہ السلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے ان کے مقابلے کے لیے ہمیں حیدر حیدر کرنا ہو گا۔

اپنی سوچیں بڑی کرو

محنت کرو

محنت پر بھی مولا علی علیہ السلام کی بات شاہ جی نے ارشاد فرمائی کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور مکان بنانے میں کوئی مددگار طلب کیا حضور ﷺ نے فرمایا ہے کوئی جو اس کے مکان بنانے میں اس کا مددگار ہو تو مولا علی علیہ السلام کھڑے ہوئے اور اس کی مدد کے لیے چل پڑے۔

یہ کہتے ہوئے شاہ جی خود کھڑے ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی سارا مجمع کھڑا ہو گیا اور حیدر حیدر کی فلک شگاف صداؤں نے ایک عجیب سماں باندھ دیا۔ لوگ کھڑے ہو کر وارفتہ حیدر حیدر کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ سچ ہے شاہ جی نے عوام کے دلوں میں مولا علی علیہ السلام کی ایسی محبت سمو دی ہے کہ اب کروڑ ہا فتووں کی بھی انہیں کوئی پرواہ نہیں۔ یہ لوگ مولا علی علیہ السلام کے دیوانے ہو چکے ہیں ان کے قلوب و اذہان سے اب کوئی محبت علی علیہ السلام نہیں نکال سکتا، قوم تیار ہو رہی ہے یہود کے مقابلے کے لیے، امام مہدی کی حمایت کے لیے اور دجال کی سرکوبی میں امام مہدی کی فوج میں جانوں کی بازی لگانے کے لیے۔ حیدر حیدر حیدر۔

قبلہ لالہ جی کی ایک بات سناتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ لالہ جی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ پیر وہ ہوتا ہے جو گڈی (پتنگ) چڑھا بھی دے اور گڈی اتار بھی دے پھر شاہ جی نے سارے مجمع کو بٹھا کر کہا کہ اب بیٹھ کر حیدر حیدر کریں۔

چوتھی بات

''اپنی زندگی کے اہداف مقرر کریں''۔

یہ لوگ جو جج بنے، آفیسر بنے، مقامات حاصل کیے انہوں نے اپنے لیے اہداف مقرر کیے تھے کہ ہم جج بنیں گے، ہم آفیسر بنیں گے وغیرہ، اسی طرح اپنے بچوں کے لیے اہداف مقرر کریں کہ انہیں پڑھا کر یہ بنانا ہے۔ وہ بنانا ہے۔ اپنی زندگی ضائع نہ کریں۔ اچھے لوگ بنیں اور بنائیں۔

ایک جرنیل کی دھمکی بارے بتاتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ اس جرنیل نے مجھے دھمکی دی کہ ہم جیل میں ڈال دیا کرتے ہیں تو میں (شاہ جی) نے کہا کہ ہم کربلا والے ہیں جیلیں بھی کاٹ لیتے ہیں، لیکن دینِ اسلام کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔

پانچواں قول

''اپنی ذات کے ساتھ تو سچے ہو''۔

اپنے ایک سچے مرید مبشر صاحب کی بات سناتے ہوئے شاہ جی نے کہا کہ وہ بیرون ملک میں رہتے ہیں اللہ نے بہت کچھ عطا کیا ہے انہوں نے

مجھے کہا کہ شاہ جی جتنے پیسوں کی ضرورت ہے میں خود حاضر ہو کر پاؤں میں رکھنے کو تیار ہوں۔ آپ ادارے کا سلسلہ جاری رکھیں یہ رکنا نہیں چاہیے۔ تو شاہ جی نے فرمایا کہ میری ماں نے نصیحت فرمائی تھی کہ جب تک جیب میں پیسے ہوں اس وقت تک کسی سے مانگنا نہیں۔ شاہ جی نے وجد کے عالم میں فرمایا کہ ہماری جیب کبھی خالی ہوئی نہیں لہٰذا ہم نے کبھی کسی سے مانگا ہی نہیں۔ اللہ خود انتظام و انصرام فرما دیتا ہے۔

شاہ جی نے ایک خاص جذبہ اور ایک خاص کیفیت سے فرمایا:

''معاف کیجیے! حیدر حیدر کہنے سے بندہ رافضی نہیں ہوتا۔ ہماری فوج میں تو بہادری کا نشان ہی ''نشانِ حیدر'' ہے اس طرح تو ہماری ساری فوج رافضی قرار پائے گی۔ لہٰذا حیدر حیدر کرنے سے بندہ رافضی نہیں ہوتا۔ حیدر حیدر تو دل اور محبت کا ترانہ ہے''۔

مولا علی علیہ السلام کی ذات کے حوالے سے فرمایا:

''بریٹنڈر رسل نے کہا تھا کہ لوگوں نے علی کو سمجھا ہی نہیں اگر لوگ علی کو سمجھ لیتے تو پوری کائنات مسلمان ہو جاتی''۔

وقت کی کمی کے باعث شاہ جی نے دریا کو کوزے میں سمیٹنے کی مثال تازہ کر دی اور تھوڑے وقت میں بہت سی معانی و اسباق عطا کر کے آپ نے اپنی گفتگو کو نقطۂ اختتام پر پہنچا دیا۔

اس کے بعد دیوان صاحب سے دعا کی درخواست کی گئی جنہوں نے دعا فرمائی کہ اللہ اس گلشن کو سدا مہکتا رکھے اور شاہ جی کے مشن کو جاری و ساری رکھے۔ آمین ثم آمین۔

ادارے کی پہلی کلاس علامہ آصف پراچہ کے بیٹے اسعد محمود نے یو کے میں ماسٹرز آف اکنامکس میں ٹاپ کیا، مانچسٹر کی یونیورسٹی میں پروفیسر کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اس دوران حفظ کیا۔ گویا اگر کسی کی نظر میسر آ جائے تو بندہ انگلینڈ کی سرزمین پر رہ کر بھی قرآن کے حفظ کی دولت حاصل کر لیتا ہے۔

تہجد کی محفل میں علماء کرام کی دستار بندی کی گئی جس میں شاہ جی نے خود علماء کا تعارف کروایا اور ان کی خصوصیات بیان کیں، جبکہ اسناد کی محفل (تیسری نشست) میں حضرت مفتی لیاقت علی نے تعارف کے ساتھ مہمانانِ گرامی کو دعوت دی اور علماء میں اسناد تقسیم کی گئیں۔

رواں سال (2023) میں ادارہ تعلیمات اسلامیہ سے جن خوش نصیب علماء کرام کو اسناد اور دستارِ فضیلت سے نوازا گیا ان کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مبشر ظفر ولد ظفر اقبال
2۔ مدثر عتیق ولد عتیق احمد
3۔ سید صوفن شاہ ولد سید نادر شاہ
4۔ حمزہ غضنفر ولد غضنفر علی
5۔ شعبان علی ولد کوڑہ خان
6۔ نذیر احمد ولد کوڑہ خان
7۔ عبدالحنان ولد قمر زمان
8۔ ندیم بلوچ ولد محمد خان
9۔ عمران بلوچ ولد محمد خان
10۔ ریاض بلوچ ولد محمد خان
11۔ حسن اشرف ولد اشرف تبسم
12۔ نور الصباح ولد فیصل مصطفیٰ
13۔ شاہ زیب کاظم ولد کاظم حسین
14۔ محمد حارث ولد حاجی ظفر خان
15۔ جنید احمد ولد محمد امجد
16۔ سید ذہین شاہ ولد سید زبیر شاہ گردیزی
17۔ فیضان رؤف ولد محمد رؤف
18۔ معظم شہزاد ولد محمد گفتار
19۔ سید علی نور العباس ولد سید ناصر شاہ
20۔ سید نقیب ولد سید مظلوم شاہ
21۔ زین امجد ولد امجد نسیم
22۔ حماد مقصود ولد مقصود احمد
23۔ محمد طلعت ولد محمد اسلم
24۔ محمد ادریس ولد امانت حسین
25۔ ندیم اعوان ولد محمد پرویز
26۔ محمد حمزہ عباسی ولد وسیم الرحمان
27۔ حسن صدیق ولد محمد صدیق
28۔ محمد روحیل حنیف ولد محمد حنیف
29۔ محمد نعیم وقاص ولد محمد انصاف
30۔ محمد صیام خان ولد طارق محمود
31۔ احسان علی ولد نیامت علی
32۔ نوید احمد ولد حاجی انور علی خان
33۔ صفی اللہ ولد بشیر احمد
34۔ عارف امین ولد محمد امین
35۔ محمد فیضان جماعتی ولد محمد ذوالقرنین جماعتی
36۔ محمد عثمان ولد محمد عمر
37۔ حسن ارشاد ولد محمد ارشاد
38۔ غلام مصطفیٰ ولد محمد نواز خان
39۔ عبدالحسیب ولد محمد یوسف
40۔ عبدالحمید ولد عبدالرحمان
41۔ آغا محمد انوار ولد آغا عبدالرحمان
42۔ عزیز خلیل ولد خلیل الرحمان
43۔ حسنین شریف ولد محمد شریف
44۔ خاور علی ولد مرید حسین
45۔ سید رضوان شاہ ولد سید غلام حسین
46۔ آکاش یوسف ولد محمد یوسف
47۔ ریاض حسین شاہ ولد طاہر شاہ
48۔ عبداللہ عباسی ولد احسان الرحمان
49۔ ابوبکر آفتاب عباسی ولد آفتاب احمد عباسی
50۔ عیص محمد صابری ولد محمد فیاض صابری
51۔ حمزہ جاوید ولد جاوید اقبال

اپنی قوم کو اکاون علماء کرام عنایت کرنے پر ہم شاہ جی کا شکریہ ادا کرتے ہیں، اس احساس کے ساتھ کہ ازل سے بے وفائی لوگوں کا وطیرہ رہا ہے۔ لوگ اپنے محسنوں کے ممنون احسان نہیں رہتے، جن لوگوں نے اپنی قوم پر احسان کیا، ان کی خدمت کی اور ان کو بام عروج پر پہنچانے کی تگ و دو کی، قوم نے انہی سے دشمنی کی، اُنھی پر قدغن لگائی، اور ایسے محسنوں کو تکالیف پہنچائی لیکن ان اللہ والوں نے ہمیشہ احسان کیا، ہمیشہ مہربانی کی، ہمیشہ محبتیں تقسیم کرتے رہے، اپنا راستہ اور اپنا مقصد کبھی فراموش نہ ہونے دیا۔ انہی ہستیوں کی فہرست میں شاہ جی قبلہ کا نام ہمیشہ ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا۔ وہ وقت دور نہیں جب دنیائے انسانیت میں ہر جگہ شاہ جی کا ذکر خیر سے ہوگا۔ شاہ جی کو سلام پیش کیا جائے گا اور شاہ جی کی عظمت کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ یہ قلمی جوش نہیں، حقیقت ہے بلکہ قبلہ لالہ جی علیہ الرحمہ کی دعا اور پیشین گوئی ہے، آپ فرمایا کرتے تھے: ''میرا شاہ (جی) بہت اونچا ہے، اس کے دشمن بالآخر اس کے قدموں میں آئیں گے''۔ اللہ شاہ جی کا سایۂ لطف و کرم ہم پر ہمیشہ ارزاں رکھے کہ یہی ہمارا سرمایہ ہے۔ آمین۔

مزدور پیشہ دوست کی یادیں

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

سعید! آواز دے کہاں ہے؟

''لاہور'' اہل اللہ، بزرگوں اور اخوان الصفا کا شہر ہے۔ میرا پہلا درس قرآن ایاز مسجد میں ہوا تھا۔ وہاں حکیم موسیٰ امرت سری، شیخ الحدیث عبد الطیف اور مفتی عبد الرشید نقشبندی ایسے بزرگ اور قلم کار موجود تھے۔ عزیزم حافظ سلامت، سعید الرحمٰن، بہاؤ الدین اور مرحوم احمد تیزی اور چابک دستی سے انتظامی ذمہ داری نبھار ہے تھے۔ سعید کی ضرورت تھی اسے میں پنڈی لے آیا۔ کچھ عرصہ میرے پاس رہے پھر وطن کی محبت انہیں کھینچ لے گئی لیکن ان کی دو باتیں معروف تھیں:

''یا اللہ! موت مجھے لاہور دینا، جمعہ والے دن دینا اور مجھے میرے شیخ محترم کی امامت میں نماز جنازہ نصیب کرنا''۔

سعید الرحمٰن غریب تھا اور مزدور پیشہ انسان تھا لیکن روشن دل اور شفاف سوچوں کا مالک تھا آج جب میں اس کی نماز جنازہ پڑھانے لگا تو ان کی زندگی کی یادیں تڑپانے لگیں۔ کسی نے ان سے پوچھا آپ کا مسلک کیا ہے؟ کہا: ''یہ نہ پوچھیں بلکہ سوال کریں تمہارا پیر کون ہے؟'' سعید الرحمٰن سے جب سائل نے یہ پوچھا تو اس نے برجستہ جواب دیا: ''میری سانسوں میں حضور ﷺ کی محبت کی خوشبو ریاض شاہ جی کی نسبت سے ہے''۔

سعید الرحمٰن بھائی کی محبت یاد کر کے عربی زبان کے ایک گمنام شاعر کا شعر یاد آ گیا:

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی
فصادف قلبی فارغاً متمکنا

''محبت کا مفہوم سمجھنے سے پہلے ہی اس کی محبت
مجھ تک پہنچ گئی میرا دل اسے خالی ملا تو اس میں
گھر کر گئی''۔

سعید بھائی رکشہ چلا کر بچوں کے لیے روزی کماتے لیکن ہر محفل ذکر میں موجود ہوتے۔ وہ متعصب نہیں تھے۔ برجستہ گوئی میں مزاج لاہوری تھا۔ دنیاوی طمع یا سفلی مقصد کبھی بھی انہوں نے زندگی میں داخل نہ ہونے دیا۔ اللہ بے نیاز ہے اس سے دعا ہے کہ وہ سعید کی بخشش فرمائے اور اس کے لواحقین اور آل اولاد کو صبر جمیل عطا کرے۔

سید ریاض حسین شاہ

نظر بد کے اثرات اور اس کا علاج

علامہ محمد ارشد

اس مضمون میں ہم درج ذیل باتیں سیکھیں گے:

1۔ نظر بد کی پہچان
2۔ نظر بد کی حقیقت
3۔ نظر بد کی وجوہات
4۔ نظر بد سے بچنے کا طریقہ
5۔ نظر بد کا علاج

نظر بد کی پہچان یا علامت

موجودہ دور میں نفسیاتی مسائل اور روحانی بیماریوں میں اضافہ دیکھا جا رہا ہے۔ ایسی ایسی بیماریاں دیکھنے سننے کو ملتی ہیں جن کا پہلے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ کتنی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک بیمار شخص ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے جاتا ہے، ڈاکٹر اسے مہنگے مہنگے ٹیسٹ لکھ دیتا ہے مریض اپنے ٹیسٹ کروا کر ڈاکٹر کے پاس آتا ہے، ٹیسٹ کی رپورٹ دیکھ کر ڈاکٹر کہتا ہے کہ آپ کو کوئی بیماری نہیں ہے لیکن بندہ اپنے جسم میں بدستور تکلیف محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ اس طرح کا معاملہ زیادہ تر اُن خواتین میں دیکھنے کو ملتا ہے جو شرعی پردہ سے پرہیز کرنے والی ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب ٹیسٹ سارے کلئیر ہیں تو جسم تکلیف میں کیوں مبتلا ہے؟ میڈیکل سائنس اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ اس سوال کا جواب اگر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تلاش کیا جائے تو دین مبین اس معاملہ میں ہماری مکمل راہنمائی کرتا ہے اور ہمیں وہ تمام ایس او پیز بتاتا ہے جن کو اختیار کر کے بندہ عجیب و غریب مسائل کا شکار ہونے سے بچ جاتا ہے اور اگر ان مسائل کا شکار ہو بھی جائے تو پھر بھی دین اسے مایوس نہیں کرتا بلکہ اس کا بھی حل بتاتا ہے۔ ایسا شخص نظر بد کا شکار ہو سکتا ہے!!! اور اگر بروقت علاج نہ کیا گیا تو ایسے شخص کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

نظر بد کی حقیقت

تفسیر ''تبصرہ'' میں علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ '' نظر کی تاثیر پر اہل سنت کا اجماع ہے''۔ اچھی نظر تقدیر سازی کا کام کرتی ہے اور بُری نظر انسان کو موت کی وادی میں لا کھڑا کرتی ہے۔ علامہ محمد اقبال نے کہا تھا:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نظر بد کے حوالہ سے علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب نے بڑی خوبصورت بات لکھی آپ لکھتے ہیں کہ:

'' آج کل کے دور میں لیزر شعاعوں کی تباہ کاریوں پر یقین رکھنے والوں کے لئے نگاہوں کی مقناطیسیت سے انکار کی کوئی گنجائش موجود نہیں''۔

(تفسیر تبصرہ: سورۂ یوسف)

قرآن مجید سے نظر بد کے دلائل

دلیل نمبر 1:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں کو مصر کی طرف روانہ فرمایا تو ایک نصیحت یہ فرمائی کہ تم شہر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا۔ قرآن حکیم نے اس نصیحت کو یوں بیان فرمایا:

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ

''اور کہا اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے تم سب معاً داخل نہ ہونا بلکہ اندر جانے کے لیے الگ الگ دروازہ اختیار کرنا''۔

(ترجمہ تذکرہ)

تفسیر ''تبصرہ'' میں علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''دوسرا نکتہ جو یہاں مفسرین نے اٹھایا ہے، نظر بد کے لگ جانے کا ہے یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ یہ خوبصورت لڑکے اگر شہر میں اکٹھے داخل ہوئے تو کہیں کسی کی نظر بد انہیں کھا نہ جائے''۔

دلیل نمبر 2:

سورۃ القلم کی آیۂ کریمہ نمبر 51 میں ارشاد ہوا:

وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ

''اور اگر ممکن ہوتا تو یہ کافر لوگ اپنی بد نظری سے آپ کو گرا لیتے''۔

''خزائن العرفان'' میں سید محمد نعیم الدین مراد آبادی درج بالا آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''عرب میں بعض لوگ نظر لگانے میں شہرۂ آفاق تھے اور ان کی یہ حالت تھی کہ دعویٰ کر کر کے نظر لگاتے تھے اور جس چیز کو انہوں نے گزند پہنچانے کے ارادے سے دیکھا، دیکھتے ہی ہلاک ہوگئی، ایسے بہت سے واقعات ان کے تجربہ میں آچکے تھے کفار نے ان سے کہا کہ رسولِ کریم ﷺ کو نظر لگائیں تو ان لوگوں نے حضور ﷺ کو بڑی تیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا کہ ہم نے اب تک نہ ایسا آدمی دیکھا نہ ایسی دلیلیں دیکھیں اور ان کا کسی چیز کو دیکھ کر حیرت کرنا ہی ستم ہوتا تھا لیکن ان کی یہ تمام جدّ وجہد بھی مثل ان کے اور مکائد (فریب) کے، جو رات دن وہ کرتے رہتے تھے بے کار گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا اور یہ آیت نازل ہوئی''۔

جن لوگوں کی نظر لگتی ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں ایسی تاثیر ہے کہ جو دوسروں کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہیں معلوم نہیں کہ ان کی نظر میں نقصان دہ تاثیر موجود ہے۔

اصمعی نے کہا:

''میں نے ایک شخص کو دیکھا، اس کی نظر بہت لگتی تھی، اس نے سنا کہ ایک گائے بہت زیادہ دودھ دیتی ہے، اُس کو یہ بہت اچھا لگا، اس نے پوچھا، وہ کونسی گائے ہے؟ لوگوں نے کوئی اور گائے بتائی اور اُس کو مخفی رکھا لیکن وہ دونوں گائیں مر گئیں۔ اصمعی نے کہا میں نے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب مجھے کوئی چیز اچھی لگتی ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں سے ایک قسم کی حرارت خارج ہوتی ہے''۔

(تبیان القرآن)

دلیل نمبر 3:

سورۂ اعراف کی آیۂ کریمہ نمبر 27 میں شیطان کی فتنہ انگیزی کا بیان ہے۔ ابن آدم کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ اُس شیطان نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اس کے بعد کے الفاظ فکر کی ایک نئی راہ کھولتے ہیں۔ فرمایا:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ

''بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے''۔

یہ آیت پڑھ کر ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ کیا جن شیاطین اپنی نظروں سے ابن آدم کو نقصان پہنچاتے ہیں یا نہیں؟ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ تو لکھا کہ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے لیکن مفسرین کے ہاں ہمیں اپنے سوال کا جواب نہ ملا جبکہ قرآن حکیم کے الفاظ میں واضح طور پر اُن کی فتنہ انگیزی کے بعد اُن شیاطین کے دیکھنے کی بات کی گئی ہے۔ جس سے مفہوم اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی نظروں سے بھی ابن آدم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

کیا جنوں کی نظر بھی لگتی ہے؟

اس سوال کا جواب تلاش کرتے کرتے جب محدثین کی بارگاہ میں حاضری ہوئی تو محدثین نے اس سوال کا تسلی بخش جواب عطا فرمایا۔ بعض احادیث اور آثار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنات کی نظر بد بھی انسان کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

ان النبي ﷺ رای في بيتها جارية في وجهها سفعة

''نبی کریم ﷺ نے ان کے گھر میں ایک لڑکی دیکھی جس کے چہرے پر (نظر بد کی وجہ سے) کالے دھبے پڑ گئے تھے''۔

(صحیح بخاری:5739)

فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی لفظ ''سفعة'' کی وضاحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

وَاخْتُلِفَ فِي الْمُرَادِ بِالنَّظْرَةِ فَقِيلَ عَيْنٌ مِنْ نَظَرِ الْجِنِّ وَقِيلَ مِنَ الْإِنْسِ

یعنی'' اس بچی کو نظر کس کی لگی؟ اس میں اختلاف ہے یہ بھی کہا گیا کہ کسی جن کی نظر بد لگی تھی اور یہ بھی کہا گیا کہ کسی انسان کی نظر بد لگی تھی''۔

''عمدۃ القاری'' میں علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمہ نے بھی لکھا کہ أي عين من نظر الجن۔ اس بچی کے چہرے پر ایک جن کی نظر بد کے اثرات تھے۔

''مرقاۃ المفاتیح'' میں ملا علی قاری نے بات کو مزید واضح کر کے بیان کر دیا:

وَالْمَعْنَى أَنَّهَا أَصَابَتْهَا الْعَيْنُ مِنَ الْجِنِّ قَالَهُ بَعْضُ الشُّرَّاحِ، وَقَدْ قِيلَ: عُيُونُ الْجِنِّ أَنْفَذُ مِنْ أَسِنَّةِ الرِّمَاحِ. وَقَالَ السُّيُوطِيُّ: أَنَّ الْعَيْنَ مِنَ الْإِنْسِ أَوِ الْجِنِّ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ لکھتے ہیں کہ ''سفعة'' کا معنی ہے کہ اس بچی کو کسی جن کی نظر لگی تھی اور بعض شارحین کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ ''جنوں کی نظریں، نیزوں کی نوک سے بھی زیادہ انسانی جسم میں چھید کرنے کی طاقت رکھتی ہیں'' اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انسانوں کی بھی نظر لگتی ہے اور جنوں کی بھی نظر لگتی ہے''۔

بیت الخلاء خبیث جنات کا مسکن

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ''شیطان ایسا ہے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے اور تم اُسے نہیں دیکھ سکتے لیکن اللہ تعالیٰ اُسے دیکھتا ہے اور وہ (شیطان) اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، تو تم اُس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو''۔

گندے مقامات پر گندگی سے انس رکھنے والے جنات بسیرا کرتے ہیں، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا میں داخلے سے پہلے دعا سکھائی ہے۔

عن رسول الله ﷺ قال " إن هذه الحشوش محتضرة، فإذا اتى احدكم الخلاء، فليقل اَللّٰهُمَّ إِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قضائے حاجت (پیشاب و پاخانہ) کی یہ جگہیں جن اور شیطان کے موجود رہنے کی جگہیں ہیں، جب تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء میں جائے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ

اے اللہ! میں ناپاک جنوں اور جنیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں''۔

(سنن ابن ماجہ:296)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جنوں کی آنکھوں اور انسان کی شرمگاہوں کے درمیان کا پردہ یہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی پاخانہ جائے تو وہ بسم اللہ کہے''۔

(سنن ابن ماجہ:297)

باتھ روم میں داخل ہونے سے پہلے بندے کو چاہیے کہ وہ بسم اللہ کے الفاظ کہہ کر باتھ روم جانے کی دعا پڑھے اس طرح وہ خبیث جنوں کی بُری نظروں سے محفوظ ہو جائے گا۔ اگر وہ نہیں پڑھے گا تو ان شیاطین کی نظروں اور انسانی جسم کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوگا اس طرح اُن خبیث جنوں کی بری نظریں اس کا تعاقب کریں گی اور اُن بُری نظروں کے بُرے اثرات انسان کے جسم میں پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے۔

احادیث سے نظر بد کے دلائل

دلیل نمبر 1:

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلْعَيْنُ حَقٌّ

یعنی نظر بد کا لگنا ایک حقیقت ہے۔

(صحیح بخاری:5740)

دلیل نمبر 2:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں نظر بد لگ جانے پر دم کرنے یا کرانے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری:5738)

دلیل نمبر 3:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے گھر میں ایک لڑکی دیکھی جس کے چہرے پر (نظر بد لگنے کی وجہ سے) کالے دھبے پڑ گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس پر دم کرا دو کیونکہ اسے نظر بد لگ گئی ہے۔ (صحیح بخاری:5739)

دلیل نمبر 4:

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے لڑکوں کو بہت جلد نظر بد لگ جاتی ہے، کیا میں ان کے لیے دم کراؤں؟ آپ نے

فرمایا: ''ہاں، اس لیے کہ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی تو اس پر نظر بد ضرور سبقت کرتی''۔
(سنن ترمذی:2059)

دلیل نمبر 5:

ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ (ابوامامہ کے باپ) کے پاس سے گزرے، سہل رضی اللہ عنہ اس وقت نہا رہے تھے، عامر نے کہا: میں نے (ایسا خوبصورت جسم) آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی کا بدن بھی اتنا خوبصورت نہیں دیکھا، سہل رضی اللہ عنہ یہ سن کر تھوڑی ہی دیر میں چکرا کر گر پڑے، تو انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ سہل کی خبر لیجیے جو چکرا کر گر پڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ''تم لوگوں کا گمان کس پر ہے (یعنی کس کی نظر لگی ہے)''؟ لوگوں نے عرض کیا کہ عامر بن ربیعہ پر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (تربیت کے انداز میں) فرمایا: تم اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتے ہو؟ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے جو اس کے دل کو بھا جائے تو اسے اس کے لیے برکت کی دعا کرنی چاہیے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوایا، اور عامر کو حکم دیا کہ وضو کریں، تو انہوں نے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک، اور اپنے دونوں گھٹنے اور تہبند کے اندر کا حصہ دھویا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سہل رضی اللہ عنہ پر وہی پانی ڈالنے کا حکم دیا۔ (سنن ابن ماجہ:3509)

دلیل نمبر 6:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ العَينَ لَتُدخِلُ الرَّجلَ القَبرَ، وَتُدخِلُ الجَملَ القِدرَ

''بے شک نظر بد انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے''۔

(مسند الشھاب:1057)

نظر بد کی وجوہات

نظر برحق ہے لیکن اس کا لگنا اور نہ لگنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کے اذن پر موقوف ہے۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

''اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر اس جادو سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے''۔

(سورۂ بقرہ:102)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو وہ تمہاری حفاظت کرے گا تم اللہ کے حقوق کا خیال رکھو تو اسے اپنے سامنے پاؤ گے جب تم کوئی چیز مانگو تو صرف اللہ سے مانگو، جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد طلب کرو اور یہ بات جان لو کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہیں تو وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے''۔

(ترمذی:2516)

یہ مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت کے اذن اور حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ کوئی عامل کوئی جادوگر کسی کے رزق پر بندش نہیں لگا سکتا۔

اللہ کا ذکر نہ کرنا

پہلی وجہ جس کی وجہ سے کسی کی نظر لگ سکتی ہے وہ ہے اللہ کا ذکر نہ کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے جو اس کے دل کو بھا جائے تو اسے اس کے لیے برکت کی دعا کرنی چاہیے''۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی چیز اچھی لگے تو اللہ کا ذکر کرنا ضروری ہے اگر نہیں کریں گے تو اس کو نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہے۔

حسد

نظر لگنے کی ایک وجہ حسد بھی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر حسد کرنے والے کی نظر لگ جائے۔ اسی لیے قرآن مجید میں حسد کرنے والے کے حسد سے پناہ مانگنے کی تلقین موجود ہے۔

بقیہ آئندہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!

کوئی عمل ارشاد فرما دیں جس کے کرنے پر اللہ اپنی محبت سے نواز دے اور لوگ بھی مجھے اپنا محبوب بنا لیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دنیا میں زہد برت، اللہ تم سے محبت کرے گا، سو رہ گیا معاملہ لوگوں کی محبت کا تو ان کی طرف یہ ٹکڑی پھینک دیا کرو وہ تمہیں اپنا محبوب بنا لیں گے''۔ (حلیۃ الاولیا، طبقات الاصفیا، مسند ابراہیم بن ادہم)

گفتنی و گفتنی سے ایک اقتباس | **منجانب: ڈاکٹر محمد سلیم، شیخوپورہ**

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آصف بلال آصف

جب سے انسان اس سیارہ زمین پر آباد ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دور میں کسی نہ کسی خطے میں کوئی نہ کوئی انسان ضرور پیدا ہوتا رہا ہے جس نے بنی نوع انسان کو سیرت و کردار کی دعوت دی اور اعمال کی درستگی کا درس دیا۔۔۔۔ان عظیم رہنماؤں نے جنہیں پیغمبر، رسول اور نبی کہا جاتا ہے ہمیں بنیادی انسانی صفات پر احسن طریقے سے قائم رہنے، حیوانوں سے ممتاز زندگی گزارنے اور بلند ترین اخلاقی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی تعلیم دی۔۔۔۔

ان تمام عظیم رہنماؤں میں سب سے زیادہ ممتاز و معتبر اور پاک و عظیم ذات مبارک حضرت محمد ﷺ کی ہے۔

اطاعت رسول اگر راہنما نہ ہو تو مسافر پر کبھی راستے کے پیچ و خم کھل نہیں سکتے۔۔۔۔

حضور اکرم ﷺ کی اطاعت اپنی اصل میں حضور ﷺ سے محبت ہے۔۔۔۔

خدا کی پہچان علم کے بغیر ممکن ہی نہیں اسی طرح حضور ﷺ کی پہچان بھی علم سے ہی عطا ہوتی ہے۔۔۔۔

حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکت اس دنیا میں سب سے زیادہ یاد کی جانے والی، سب سے زیادہ چاہے جانے والی ذات معتبر ہے۔۔۔۔

بلاشبہ نبی محترم حضرت محمد ﷺ کو روئے زمین پر آنے والے ہر انسان سے زیادہ چاہا گیا ہے۔اور چاہا جائے گا۔۔۔۔

دنیا میں کوئی انسان کاملیت کو نہیں پہنچ سکتا۔کوئی نہ کوئی کمی ہر شخص میں کہیں نہ کہیں دکھائی دے گی۔۔۔۔چاہے وہ علم و عرفان کی کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ پہنچ جائے۔۔۔لیکن اس دنیا میں ایک عظیم ہستی ایسی بھی ہے جس کو اللہ رب العزت نے کاملیت بخشی ہے اور وہ حضور اکرم ﷺ کی پاک ذات ہے۔۔۔۔آپ ﷺ کی یہی فضیلت آپ ﷺ کو سراجاً منیر کے مقام پر فائز کرتی ہے۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کا ذکر بلند فرما رہا ہے۔۔۔۔اب اسے کون روک سکتا ہے۔۔۔؟

دنیا بھر میں ایسی کوئی مثال نہیں کہ ایک ایسا نبی جو چودہ سو سال پہلے اس دنیا سے گزرا وہ آج بھی دنیا بدل رہا ہو۔۔۔۔Influence کر رہا ہو۔

تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں تمام انبیاء اپنے ادوار تک محدود رہیں۔۔۔۔ان کے گزر جانے کے بعد ان کی تعلیمات اور جو کتابیں خدا نے انہیں دی تھیں انہیں بدل ڈالا گیا، مسخ کر دیا گیا۔۔۔۔لیکن حضور پر نور سرورِ کائنات ﷺ کی ذات مبارک سراجاً منیرا ہے۔آپ کا نور ہر آن ہر لحظہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔۔۔۔غور کریں تو بعید کھلتا ہے۔

حضور ﷺ کی زندگی میں کفار مکہ نے یہی کیا تھا۔۔۔۔

پہلے انکار کیا۔۔۔۔

پھر تمسخر اُڑایا۔۔۔۔

پھر اذیتیں دیں۔۔۔۔

مخالفت کی انتہا کر دی۔۔۔۔

پھر جنگیں لڑیں۔۔۔۔

اور آخر کار انجام یہ ہوا کہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔۔۔۔

اور حضور ﷺ کی اطاعت کو پہنچ لگے۔۔۔۔

جیسے کفار نے کیا وہی اب ساری دنیا کر رہی ہے۔

اس امر میں تو کوئی شک نہیں کہ دنیا کا اختتام قریب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے جو وعدہ کیا ہے وہ اسے پورا کر کے رہے گا۔ پہلے ساری دنیا کہ کفار اور مشرک اسلام کا مذاق اڑاتے رہے۔۔۔۔

پھر مخالفت پر اُتر آئے۔۔۔۔

اور اب آخری مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔۔۔۔

جنگیں لڑی جا رہی ہیں۔۔۔۔مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے جا رہے ہیں۔۔۔۔

عصرِ حاضر میں یہودیوں نے ایک سنگین جنگ فلسطین کے مسلمانوں کے خلاف جاری رکھی ہوئی ہے۔۔۔لیکن جس قدر وہ حضور ﷺ کی تعلیمات سے بھاگتے ہیں آپ ﷺ کا ذکر مبارک ان کے گرد اور زیادہ گونجتا ہے۔۔۔۔اللہ جو نفسیاتی دباؤ کفار پر ڈال رہا ہے وہ اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔۔۔۔نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اب خود یورپ، امریکہ، برطانیہ کے بڑے بڑے مفکر حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے مطالعے پر مجبور ہو چکے ہیں۔۔۔۔آپ ﷺ کی شان پوری دنیا پر عیاں ہو رہی ہے۔۔۔۔وہ وقت قریب آتا جا رہا ہے جب یہ تمام دنیا اسی طرح فوج در فوج دین محمد ﷺ میں داخل ہونے لگے گی جیسے کفارِ مکہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔۔۔۔

دورِ حاضر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی تعلیم بھی مستند ذرائع سے حاصل کریں۔۔۔۔کیونکہ ہمیں یہ جاننا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کون ہیں۔سیرت کو خوب پڑھنا ہے۔حدیثِ رسول ﷺ کو خود پڑھنا ہے۔ہمیں براہ راست رسول اللہ تک پہنچنا ہے۔ہمیں حضور ﷺ کے ایک ایک نقش مبارک کو دیکھنا ہے۔Study کرنا ہے۔۔۔۔

پہچان رسول ﷺ

محبت رسول ﷺ

اور اطاعت رسول ﷺ ۔۔۔۔کے لیے ہمیں قرآن کو بہت ہی غور سے پڑھنا اور سمجھنا ہے۔۔۔۔

استادوں سے پڑھنا ہے۔۔۔۔
علماء سے سیکھنا ہے۔۔۔۔
صوفیاء سے سمجھنا ہے۔۔۔۔
لیکن یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ ہر مقرر عالم نہیں ہوتا، ہر پیر صوفی نہیں ہوتا اور ہر راہنمائی کا دعویٰ کرنے والا استاد نہیں ہوتا۔۔۔۔
اگر حضور ﷺ کی پہچان کے لیے اتنا غور وفکر درکار ہے تو لازم ہے کہ اساتذہ، علماء اور صوفیا کا انتخاب بھی انتہائی احتیاط سے کیا جائے۔۔۔۔
یہاں رک کر میں اپنی ذاتی خوش قسمتی کا ذکر ضرور کرتا چلوں کہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور شکر ہے کہ جس نے مجھے ایک ایسی ہستیِ مکرم اور آقاءِ نعمت کی محفل پاک میں بیٹھنا نصیب فرمایا ہے جو بالیقین عصرِ حاضر کے بہترین شیخ القرآن اور شیخ الحدیث ہیں بلکہ صوفیاء میں انتہائی اونچی درجے پر فائز ہستی ہیں۔۔۔۔ جناب محترم سید ریاض حسین شاہ صاحب میرے پیر محترم اور استادِ کامل ہیں کہ جن کی محفل پاک میں بیٹھ کر روحانی تعلیم و تربیت ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔۔۔۔ اور میرے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ آپ کی نظرِ فیض مجھ جیسے عام آدمی کو میسر ہے۔۔۔۔ آپ کی محفل پاک میں بیٹھ کو جو درس کا فیض مجھ سمیت تمام سنگی حضرات حاصل کر رہے ہیں اللہ اسے جاری و ساری رکھے۔۔۔۔ آمین ۔۔۔۔ قرآن پاک کی تلاوت، نبی کریم ﷺ سے محبت اور حیدر حیدر کا زندگی بخش آلاپ شاہ جی کی محفل پاک کا ہی فیض ہے۔
شاہ جی کی درس سے ہی سیکھی ہوئی باتیں عرض کر رہا ہوں۔
نبی کریم ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔
نفس میں محبت رسول ﷺ کا قیام صرف پہچان رسول ﷺ سے ہے۔
اور پہچان رسول ﷺ سے ہی اطاعت رسول ﷺ پیدا ہوتی ہے۔
ہم اللہ کو حضور کے طفیل جانتے ہیں۔
حضور ﷺ نے ہمیں کہا کہ میں نبی آخر الزماں ہوں ۔۔۔۔ ہم نے مان لیا۔
حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ ایک ہے ۔۔۔۔ ہم ایک اللہ پر ایمان لے آئے۔
آپ ﷺ نے فرمایا قرآن اللہ کی کتاب ہے۔۔۔۔ ہم نے مان لیا۔
اگر حضور ﷺ کی ذات بابرکت درمیان میں نہ ہوتی تو ہم اس قابل کبھی نہ ہوتے کہ اللہ کو مان لیں۔
سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے محبت کی ہے۔۔۔۔ اور سب سے زیادہ اللہ سے محبت حضور ﷺ نے کی ہے۔۔۔۔
"یہ اللہ اور بندے کی عظیم داستانِ محبت ہے"۔
ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم حضور ﷺ سے کتنی محبت کرتے ہیں ۔۔۔۔ آپ ﷺ کی محبت ہمارے دلوں میں کتنی گہرائیوں سے رچی بسی ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ حضور ﷺ سے عقیدت اور شے ہے۔۔۔۔ اور آپ ﷺ سے محبت اور شے ہے۔
ہر مسلمان کو نبی کریم ﷺ سے بے پناہ عقیدت ہے ۔۔۔۔ حضور اکرم ﷺ کی شان میں اگر کوئی گستاخی کرے تو ہر مسلمان اپنی جان حضور ﷺ پر قربان کرنے میں ایک لحمہ بھی تاخیر نہ کرے گا۔۔۔۔ لیکن یہ عقیدت ہے ۔۔۔۔ حضور ﷺ سے ہمیں بے پناہ عقیدت ہے۔۔۔۔ لیکن کیا ہم نبی ﷺ سے واقعی محبت بھی کرتے ہیں اس سوال پر پوری ایمانداری سے غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد عشق رسول ﷺ کا دعویٰ رکھنے کے باوجود اسوہ رسول ﷺ پر کاربند دکھائی نہیں دیتی۔۔۔۔ دنیاداری کے معاملات میں پھنسا ہوا انسان بھول جاتا ہے کہ یہ دنیاوی رشتے جن کے لیے وہ دن رات محنت کی چکی میں پس رہا ہے صرف دنیا تک ہی موجود ہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول مکرم ﷺ کا رشتہ نہ صرف اس دنیا میں ہے بلکہ موت کے بعد آنے والی حیات میں بھی یہ رشتہ اسی طرح موجود ہے۔
بے شک اللہ اور اس کا رسول ﷺ دنیا میں بھی ہمارے شعور اور لاشعور سمیت ہر جگہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور جب ہم مرجائیں گے تو یہی دو رشتے ہیں جو ہمیں آگے ملیں گے۔۔۔۔ یہ دو ایسے رشتے ہیں جو انسان سے کبھی گم نہیں ہو سکتے۔۔۔۔
اللہ کا بندے سے رشتہ تو خالق اور مخلوق کا ہے اور دوسرا رشتہ ہم سے ہمارے نبی ﷺ کا ہے۔۔۔۔
ہم امتی ہیں۔۔۔۔ یہ سب سے بڑا اور بلند رشتہ ہے جو کسی انسان کا دوسرے انسان سے ہو سکتا ہے۔۔۔۔
ہمارے ماں باپ روزِ قیامت ہمارے کام نہیں آئیں گے بلکہ ہم ان سے اور وہ ہم سے چھپتے پھریں گے۔
ہمارا سب سے قریب کا رشتہ حضور ﷺ سے ہے۔۔۔۔ انہی کا قبر میں سوال کیا جائے گا۔۔۔۔، وہی روزِ محشر شفاعت کریں گے اور وہی ہیں جن کو اللہ نے کوثر عطا فرمایا ہے۔۔۔۔ ہر مسلمان کو اپنے دل و دماغ میں یہ بات راسخ کر لینی چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس اصل دین ہے اور آپ ﷺ سے محبت شرطِ ایمان ہے۔۔۔۔ جس دل میں آپ ﷺ کی محبت نہیں وہ دل ویران ہے۔۔۔۔
ہر ذی شعور انسان پر یہ بات عیاں ہے کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں محبت رسول ﷺ کا غلبہ رہا تب تک عزت و تمکنت اور فتح و عروج ان کا مقدر رہی اور سرکش اقوام ان کے زیرِ نگیں رہیں۔۔۔۔
لیکن جب یہ تعلق اور رشتہ کمزور ہوا تو مسلمانوں کا عروج، زوال میں تبدیل ہو گیا۔۔۔۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے کہ جس نے میری محبت کا دعویٰ کیا وہ آپ ﷺ کی اتباع کرے۔۔۔۔
حضور اکرم ﷺ کے جانثاروں کا عمل یہی رہا ہے۔
ایک بار نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں سچا مومن کب بنوں گا۔
حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:
تو جب اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا۔
اس نے عرض کی میرے آقا ﷺ! میری محبت اللہ تعالیٰ سے کب ہوگی۔۔۔۔؟
آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے گا۔
صحابی نے عرض کیا! اللہ تعالیٰ کے رسول سے میری محبت کب ہوگی۔۔۔۔؟
آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو ان کے طریقے پر چلے گا اور سنت کی پیروی کرے گا اور ان سے محبت کرنے والوں کے ساتھ محبت کرے گا اور ان سے بغض رکھنے والوں کے ساتھ بغض رکھے گا اور کسی سے محبت کرے تو ان کی وجہ سے کرے اور کسی سے بغض رکھے تو ان کی وجہ سے رکھے۔
بقیہ: صفحہ نمبر 39 پر

محمد علی جناح کی زندگی کے آخری 60 دن

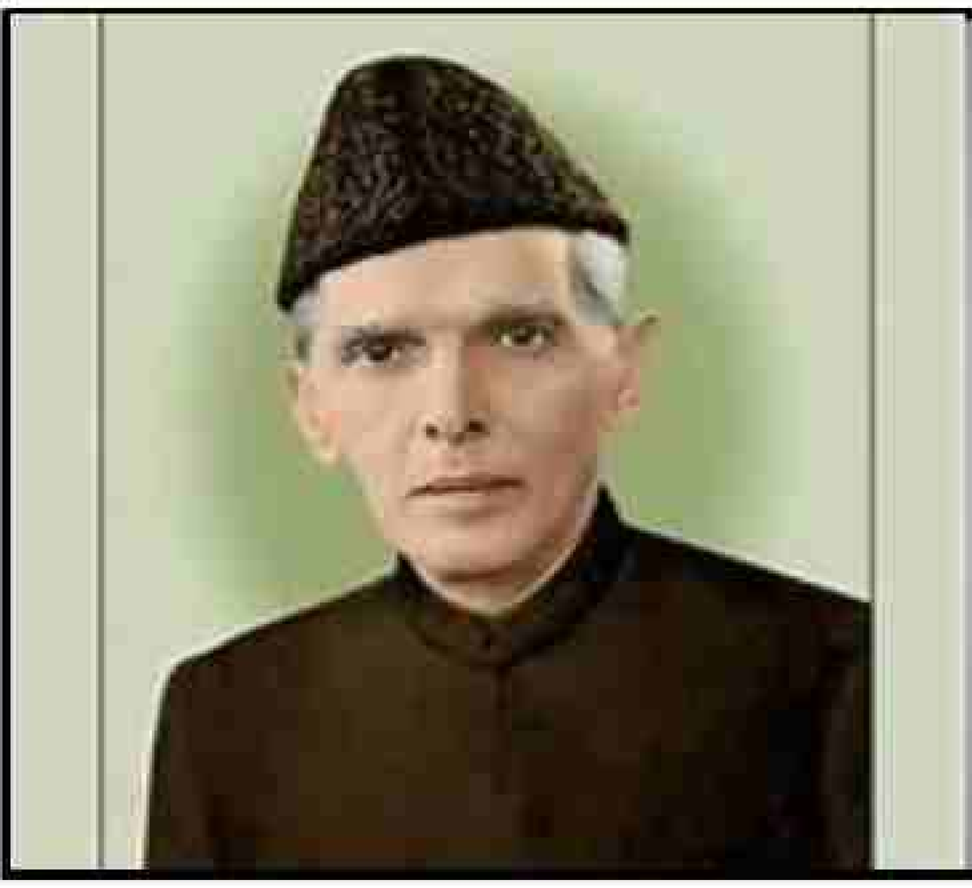

عقیل عباس جعفری

یہ 14 جولا 1948ء کا دن تھا جب اس وقت کے گورنر جنرل محمد علی جناح کو ان کی علالت کے پیش نظر کوئٹہ سے زیارت منتقل کیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ فقط 60 دن زندہ رہے اور 11 ستمبر 1948ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بابائے پاکستان کے یہی آخری 60 دن اس تحریر کا موضوع ہیں۔

یہ پراسرار گتھی آج تک حل نہیں ہو سکی کہ 'قائد اعظم' محمد علی جناح کو شدید بیماری کے عالم میں کوئٹہ سے زیارت منتقل ہونے کا مشورہ کس نے دیا تھا۔

زیارت اپنے صنوبر کے درختوں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے اور کوئٹہ سے 133 کلو میٹر فاصلے پر 2449 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ جگہ ایک بزرگ خرواری بابا کی آخری آرام گاہ کی نسبت سے زیارت کہلاتی ہے اور جناح کی آرام گاہ یا ''قائد اعظم ریزیڈنسی'' زیارت سے 10 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان کی بہن فاطمہ جناح نے اپنی کتاب ''مائی برادر'' میں تحریر کیا ہے کہ کوئٹہ سے زیارت منتقل ہونے کا فیصلہ جناح کا ذاتی فیصلہ تھا کیونکہ ان کی سرکاری اور غیر سرکاری مصروفیات کے باعث کوئٹہ میں بھی انہیں آرام کا موقع بالکل نہیں مل رہا تھا اور مختلف اداروں اور رہنماؤں کی جانب سے انھیں مسلسل دعوتیں موصول ہو رہی تھیں کہ وہ ان کے اجتماعات میں شرکت کریں اور ان سے خطاب کریں۔

تاہم یہ بات پھر بھی محل نظر ہے کہ جناح کو زیارت کے بارے میں کس نے بتایا تھا اور وہاں منتقل ہونے کا مشورہ کس نے دیا تھا۔

13 تا 21 جولائی: ڈاکٹروں کے مشوروں سے اجتناب

زیارت پہنچنے کے بعد بھی انھوں نے کسی مستند معالج سے علاج کروانے پر توجہ نہ دی لیکن انہی دنوں اطلاع ملی کہ مشہور ڈاکٹر ریاض علی شاہ اپنے ایک مریض کو دیکھنے کے لیے زیارت آئے ہوئے ہیں۔ فاطمہ جناح نے اپنے بھائی سے کہا کہ ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی زیارت موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہیے مگر انھوں نے یہ کہتے ہوئے تجویز سختی سے مسترد کر دی کہ انھیں کوئی زیادہ سنگین مرض لاحق نہیں ہے اور اگر صرف ان کا معدہ خوراک کو ذرا بہتر طور پر ہضم کرنے لگے تو وہ جلد ہی دوبارہ صحت مند ہو جائیں گے۔

بقول فاطمہ جناح: ''وہ ڈاکٹروں کے ایسے مشوروں سے ہمیشہ گریز کرتے تھے کہ کیا کریں، کیا کھائیں، کتنا کھائیں، کب سوئیں اور کتنی دیر آرام کریں۔ علاج سے گریز کی ان کی یہی پرانی عادت ایک مرتبہ پھر عود کر آتی تھی۔'' مگر جلد ہی وہ اپنی اس عادت کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ زیارت پہنچنے کے ایک ہفتے کے اندر ان کی طبیعت اتنی خراب ہوئی کہ ان کی زندگی میں پہلی مرتبہ ان کی صحت خود ان کے لیے پریشانی کا باعث بن گئی۔ اب تک ان کا خیال تھا کہ وہ صحت کو اپنی مرضی کے تابع رکھ سکتے ہیں مگر 21 جولائی 1948ء کو جب انھیں زیارت پہنچے ہوئے فقط ایک ہفتہ گزرا تھا، انھوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ اب انھیں صحت کے سلسلے میں زیادہ خطرات مول نہیں لینے چاہییں اور یہ کہ اب انھیں واقعی اچھے طبی مشورے اور توجہ کی ضرورت ہے۔

فاطمہ جناح کا کہنا ہے کہ جوں ہی انھیں اپنے بھائی کے اس ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے ان کے پرائیویٹ سیکریٹری فرخ امین کے ذریعے کابینہ کے سیکریٹری جنرل چوہدری محمد علی کو پیغام بھجوایا کہ وہ لاہور کے ممتاز فزیشن ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو بذریعہ ہوائی جہاز زیارت بھجوانے کا انتظام کریں۔

23 جولائی تا 29 جولائی

ڈاکٹر الٰہی بخش 23 جولائی 1948ء کو کوئٹہ اور پھر وہاں سے بذریعہ کار زیارت پہنچے لیکن دن بھر سفر کرنے کے باوجود انھیں زیارت پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی اور جناح سے ان کی ملاقات اگلی صبح ہی ممکن ہو سکی۔ انھوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: ''جب میں نے قائد سے ان کی بیماری سے متعلق استفسارات کیے، تو ان کا تمام زور اسی بات پر تھا کہ وہ بالکل بھلے چنگے ہیں اور یہ کہ ان کا معدہ ٹھیک ہو جائے تو وہ جلد ہی معمول کے مطابق کام کرنے لگیں گے''۔

مگر جب ڈاکٹر الٰہی بخش نے جناح کا سرسری معائنہ کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کا معدہ تو بالکل ٹھیک ہے لیکن ان کے سینے اور پھیپھڑوں کے بارے میں صورت حال اطمینان بخش نہیں ہے۔ ڈاکٹر الٰہی بخش کے مشورے پر اگلے دن کوئٹہ کے سول سرجن ڈاکٹر صدیقی اور کلینیکل پیتھالوجسٹ ڈاکٹر محمود ضروری آلات اور ساز و سامان کے ساتھ زیارت پہنچ گئے۔ انھوں نے فوری طور پر جناح کے ٹیسٹ کیے جن کے نتائج نے ڈاکٹر الٰہی بخش کے ان خدشات کی تصدیق کر دی کہ وہ تپ دق کے مرض میں مبتلا ہیں۔

ڈاکٹر الٰہی بخش نے جناح کے مرض کے حوالے سے سب سے پہلے فاطمہ جناح کو مطلع کیا اور پھر ان ہی کی ہدایت پر اپنے مریض کو بھی آگاہ کر دیا گیا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش لکھتے ہیں:

''قائد اعظم نے جس انداز میں میری تشخیص کو سنا، میں اس سے انتہائی متاثر ہوا''۔

چوہدری محمد حسین چٹھہ نے اپنے ایک انٹرویو میں ضمیر احمد منیر کو بتایا کہ جب ڈاکٹر الٰہی بخش نے جناح کو بتایا کہ انھیں تب دق کا مرض لاحق ہے تو جناح نے جواب دیا: ''ڈاکٹر، یہ تو میں 12 برس سے جانتا ہوں، میں نے اپنے مرض کو صرف اس لیے ظاہر نہیں کیا تھا کہ ہندو میری موت کا انتظار نہ کرنے لگیں''۔

برصغیر کی جدوجہد آزادی کے موضوع پر لکھی گئی مشہور کتاب 'فریڈم ایٹ مڈنائٹ' کے مصنفین لیری کولنز اور ڈومینک لاپیئر نے بالکل درست لکھا ہے کہ: "اگر اپریل 1947 میں ماؤنٹ بیٹن، جواہر لال نہرو یا مہاتما گاندھی میں سے کسی کو بھی اس غیر معمولی راز کا علم ہو جاتا جو بمبئی کے ایک مشہور طبیب ڈاکٹر جے اے ایل پٹیل کے دفاتر کی تجوری میں انتہائی حفاظت سے رکھا ہوا تھا، تو شاید ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا اور آج ایشیا کی تاریخ کا دھارا کسی اور رخ پر بہہ رہا ہوتا۔ یہ وہ راز تھا جس سے برطانوی سیکرٹ سروس بھی آشنا نہ تھی۔ یہ راز جناح کے پھیپھڑوں کی ایک ایکسرے فلم تھی، جس میں بانی پاکستان کے پھیپھڑوں پر ٹیبل ٹینس کی گیند کے برابر دو بڑے بڑے دھبے صاف نظر آ رہے تھے۔ ہر دھبے کے گرد ایک ہالا سا تھا جس سے یہ بالکل واضح ہو جاتا تھا کہ تپ دق کا مرض جناح کے پھیپھڑوں پر کس قدر جارحانہ انداز میں حملہ آور ہو چکا ہے"۔

ڈاکٹر پٹیل نے جناح کی درخواست پر ان ایکس ریز کے بارے میں کبھی کسی کو کچھ نہ بتایا۔ تاہم انہوں نے جناح کو علاج اور صحت یابی کے لیے یہ مشورہ ضرور دیا کہ ان کا علاج صرف اور صرف آرام میں مضمر ہے مگر بانی پاکستان کے پاس آرام کا وقت کہاں تھا؟

ان کے پاس وقت کم تھا اور کام بہت زیادہ تھا اور وہ باقاعدہ علاج کا اہتمام کبھی نہ کر سکے۔ وہ اتنی آہنی ہمت کے مالک تھے کہ انہوں نے اپنے مرض کے بارے میں اپنی عزیز ترین بہن کو بھی آگاہ نہیں کیا، حتیٰ کہ انہوں نے ڈاکٹر الٰہی بخش کو بھی اپنے راز سے اس ہی وقت آگاہ کیا جب وہ خود یہی تشخیص کر چکے تھے۔

ماؤنٹ بیٹن نے خاصے طویل عرصے بعد لیری کولنز اور ڈومینک لاپیئر کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ ساری طاقت جناح کے ہاتھ میں تھی۔ "اگر کسی نے مجھے بتایا ہوتا کہ وہ بہت کم عرصے میں ہی فوت ہو جائیں گے تو میں ہندوستان کو تقسیم نہ ہونے دیتا۔ یہ واحد صورت تھی کہ ہندوستان متحدہ صورت میں برقرار رہتا۔ راستے کا پتھر صرف مسٹر جناح تھے، دوسرے رہنما اس قدر بے لوچ نہیں تھے اور مجھے یقین ہے کہ کانگریس ان لوگوں کے ساتھ کسی مفاہمت پر پہنچ جاتی اور پاکستان تاقیامت وجود میں نہ آتا"۔

ڈاکٹر الٰہی بخش لکھتے ہیں: "جب مرض کی تشخیص ہو گئی تو میں نے ایک جانب علاج اور خوراک میں مناسب ردوبدل کی اور دوسری جانب لاہور سے ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ڈاکٹر ایس ایس عالم اور ڈاکٹر غلام محمد کو ٹیلی گرام دیا کہ وہ ضروری ساز و سامان اور سفری ایکس ریز کے آلات لے کر فوراً زیارت پہنچیں"۔

وزیر اعظم سے ملاقات اور جناح کا دوا لینے سے انکار

تیس جولائی 1948ء کو جناح کے یہ تمام معالجین زیارت پہنچ گئے۔ اس سے ایک دن پہلے بابائے قوم کی دیکھ بھال کے لیے کوئٹہ سے ایک تربیت یافتہ نرس، فلس ڈلہم کو بھی زیارت بلوایا جا چکا تھا۔ اب خدا خدا کر کے جناح کا باقاعدگی سے علاج شروع ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے کہ اسی دن ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس پر اب تک خاموشی کے پراسرار پردے پڑے ہوئے ہیں اور جو لوگ اس سے واقف بھی ہیں ان کا یہی اصرار ہے کہ اس واقعے کو اب بھی راز ہی رہنے دیا جائے۔

یہ واقعہ سب سے پہلے محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی کتاب "مائی برادر" میں قلم بند کیا تھا۔ انہوں نے یہ کتاب جی الانا کی مدد سے تحریر کی تھی۔ ان کی وفات کے بعد اس کا مسودہ ان کاغذات میں دستیاب ہوا جو اب اسلام آباد کے قومی ادارہ برائے تحفظ دستاویزات پاکستان (National Archives) میں محفوظ ہیں۔

اس مسودے کو 1987ء میں قائداعظم اکیڈمی، کراچی نے کتابی شکل میں شائع کیا تھا مگر اس کتاب میں سے ان پیراگرافس کو حذف کر دیا گیا تھا جو محترمہ نے 30 جولائی 1948ء کو پیش آنے والے ایک واقعہ کے حوالے سے تحریر کیے تھے۔

محترمہ نے اپنی اس کتاب میں لکھا: "جولائی کے اواخر میں ایک روز وزیر اعظم لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی بغیر کسی پیشگی اطلاع کے اچانک زیارت پہنچ گئے۔ وزیر اعظم نے ڈاکٹر الٰہی بخش سے پوچھا کہ جناح کے مرض کے بارے میں ان کی تشخیص کیا ہے؟ ڈاکٹر نے کہا کہ انھیں فاطمہ جناح نے بلایا ہے اور وہ اپنے مریض کے بارے میں صرف ان ہی کو کچھ بتا سکتے ہیں۔ وزیر اعظم نے اصرار کیا کہ وہ بطور وزیر اعظم، گورنر جنرل کی صحت کے بارے میں فکر مند ہیں لیکن تب بھی ڈاکٹر الٰہی بخش کا مؤقف یہی رہا کہ وہ اپنے مریض کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ نہیں بتا سکتے"۔

فاطمہ جناح آگے لکھتی ہیں: "میں اس وقت بھائی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جب مجھے بتایا گیا کہ وزیر اعظم اور کابینہ کے سیکریٹری جنرل ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس کی اطلاع بھائی کو دی تو وہ مسکرائے اور بولے، فاطی! تم جانتی ہو وہ یہاں کیوں آیا ہے؟ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ میری بیماری کتنی شدید ہے اور یہ کہ میں اب کتنے دن زندہ رہوں گا"۔

چند منٹ بعد انھوں نے اپنی بہن سے کہا: نیچے جاؤ۔۔۔ وزیر اعظم سے کہو میں اس سے بھی ملوں گا۔

فاطمہ جناح نے بھائی سے گزارش کی کہ "بہت دیر ہو چکی ہے، آپ ان سے صبح مل لیجیے گا"۔ مگر جناح نے حکم دیا "نہیں۔۔۔ اسے ابھی آنے دو، وہ خود آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے"۔

وہ لکھتی ہیں: "دونوں کی ملاقات آدھے گھنٹے جاری رہی۔ جونہی لیاقت علی خان واپس نیچے آئے تو میں اوپر اپنے بھائی کے پاس گئی۔ وہ بری طرح تھکے ہوئے تھے اور ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ انھوں نے مجھ سے پھلوں کا جوس مانگا اور پھر چوہدری محمد علی کو اندر بلوا لیا جو 15 منٹ تک ان کے پاس رہے پھر جب وہ دوبارہ تنہا ہوئے تو میں اندر ان کے پاس گئی۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہ جوس یا کافی کچھ لینا پسند کریں گے مگر انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں محو تھے۔ اتنے میں رات کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ بھائی نے مجھ سے کہا 'بہتر ہے کہ تم نیچے چلی جاؤ اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ'۔

"نہیں"، انہوں نے زور دے کر کہا، "میں آپ ہی کے پاس بیٹھوں گی اور یہیں پر کھانا کھا لوں گی"۔

"نہیں"، بھائی نے کہا، "یہ مناسب نہیں ہے۔ وہ یہاں ہمارے مہمان ہیں، جاؤ اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ"۔

اس کے بعد فاطمہ جناح لکھتی ہیں: "کھانے کی میز پر میں نے وزیر اعظم کو بہت خوشگوار موڈ میں پایا۔ وہ لطیفے سنا رہے تھے اور ہنسی مذاق کر رہے تھے جبکہ میں بھائی کی صحت کے لیے خوف سے کانپ رہی تھی جو اوپر کی منزل میں بستر علالت پر پڑے ہوئے تھے۔ کھانے کے دوران چوہدری محمد علی چپ چاپ کسی سوچ میں گم رہے۔ کھانا ختم ہونے سے پہلے میں اوپر چلی گئی۔ جب میں کمرے میں داخل ہوئی تو بھائی مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بولے 'فاطی، تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے'۔ میں نے اپنے آنسوؤں کو چھپانے کی بڑی کوشش کی جو میری آنکھوں میں امڈ آئے تھے"۔

سترہ اکتوبر 1979 کو پاکستان ٹائمز لاہور میں شریف الدین پیرزادہ کا ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا ''دی لاسٹ ڈیز آف دی قائداعظم''۔ اس مضمون میں انھوں نے ممتاز ماہر قانون ایم اے رحمٰن کے ایک خط کا حوالہ دیا۔

اس خط میں ایم اے رحمٰن نے انھیں لکھا تھا کہ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے بیٹے ہمایوں خان نے بھی انہیں اس واقعے کے بارے میں بتایا تھا۔ اس روایت کے مطابق ''قائداعظم پر دوا کا اثر بڑا موافق ہو رہا تھا اور وہ بتدریج صحت یاب ہو رہے تھے۔ ایک روز لیاقت علی خان قائداعظم سے ملنے کے لیے زیارت آئے۔ وہ ان کے ساتھ تقریباً ایک گھنٹہ رہے۔ اسی دوران دوا کھلانے کا وقت آ گیا لیکن میرے والد اندر جا کر قائداعظم کو دوا نہیں دے سکتے تھے کیونکہ اندر جو ملاقات ہو رہی تھی وہ بے حد خفیہ تھی۔ چنانچہ وہ باہر انتظار کرتے رہے تاکہ ملاقات ختم ہوتے ہی وہ قائداعظم کو دوا کھلا سکیں''۔

''جب لیاقت علی خان کمرے سے باہر نکلے تو میرے والد فوراً کمرے میں داخل ہوئے اور قائداعظم کو دوا کھلانا چاہی۔ انہوں نے دیکھا کہ قائداعظم پر سخت اضطرابی افسردگی طاری ہے اور انھوں نے دوا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اب میں مزید زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ اس کے بعد والد صاحب کی بھرپور کوشش اور اصرار کے باوجود قائداعظم نے اپنے ڈاکٹر کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا''۔

ہمایوں خان نے مزید بتایا: ''قائداعظم کے انتقال کے فوراً بعد لیاقت علی خان نے میرے والد کو بلاوا بھیجا۔ لیاقت علی خان نے ان سے پوچھا کہ اس روز زیارت میں جب میں کمرے سے باہر نکل آیا اور آپ اندر گئے تو قائداعظم نے آپ سے کیا بات کی تھی۔ میرے والد نے لیاقت علی خان کو بہتیرا یقین دلانے کی کوشش کی قائد نے آپ دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو کے بارے میں مجھ سے قطعاً کوئی بات نہیں کی تھی سوائے اس کے کہ اس کے بعد قائد نے دوا کھانی بند کر دی تھی، لیکن میرے والد کے اس جواب سے لیاقت علی خان کو تسلی نہیں ہوئی''۔

''لیاقت علی خان کافی دیر تک میرے والد کو زیر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ان کی ملاقات ختم ہوئی اور میرے والد کمرے سے نکلنے لگے تو لیاقت علی خان نے انہیں واپس بلوایا اور انہیں تنبیہ کی اگر انہوں نے کسی اور ذریعے سے اس ملاقات کے بارے میں کچھ سنا تو انہیں، یعنی میرے والد صاحب کو، سنگین نتائج بھگتنا پڑیں گے''۔

یہ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے صاحبزادے، ہمایوں خان کی بیان کردہ روایت ہے جو ہم تک اے آر رحمٰن اور شریف الدین پیرزادہ کے توسط سے پہنچی ہے۔ اس کی صحت پر بحث کی گنجائش ہوسکتی ہے کیونکہ خود ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے اپنی کتاب ''قائداعظم کے آخری ایام'' میں اس سے مختلف بیان دیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں: ''نیچے اترا تو وزیراعظم سے ڈرائنگ روم میں ملاقات ہوئی۔ وہ اسی روز مسٹر محمد علی کے ساتھ قائداعظم کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے بڑی بے تابی سے قائداعظم کی کیفیت دریافت کی اور اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ مریض کو اپنے ڈاکٹر پر اعتماد ہے اور انشاءاللہ اس کا ان کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔ انہوں نے بہت تاکید کی کہ قائداعظم کی اس طویل بیماری کی جڑ کا ضرور کھوج لگایا جائے۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ قائداعظم کی حالت تشویشناک ہونے کے باوجود وہ پر امید ہیں کہ اگر انہوں نے وہ جدید دوائیں کھالیں جو کراچی سے منگوائی جا رہی ہیں تو ممکن ہے وہ صحت یاب ہوجائیں گے۔ بڑی امید افزا بات یہ ہے کہ مریض میں مدافعت کی کافی قوت ہے۔ وزیراعظم اپنے رہنما اور پرانے رفیق کی علالت سے بہت افسردہ تھے، ان کی دل سوزی سے میں بہت متاثر ہوا''۔

اب حقیقت کیا ہے؟ اس کا علم تو صرف ان پانچ، چھ شخصیات ہی کو تھا جو اس وقت موقع پر موجود تھیں۔ اب بدقسمتی سے ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ واقعے پر بھی 72 سال کے ماہ و سال کی گرد جم چکی ہے اور اب ایسا کوئی ذریعہ باقی نہیں جو قوم کو اس واقعہ کی اصلیت سے آگاہ کر سکے۔

31 جولائی تا 12 اگست: جناح کا پسندیدہ باورچی

دو تین دن میں جناح کی حالت اتنی بہتر ہوگئی کہ 3 اگست کو ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے ان سے لاہور جانے کے لیے چاروں کی رخصت بھی حاصل کر لی۔ بظاہر اس کا سبب یہ نظر آتا ہے کہ چند دن بعد عید آنے والی تھی اور ڈاکٹر الٰہی بخش یہ عید اپنے اہل خانہ کے ساتھ منانا چاہتے تھے۔

مگر ابھی انہیں لاہور پہنچے ایک دن گزرا تھا کہ انھیں ڈاکٹر عالم کے ساتھ شعاعوں کے ذریعہ علاج کرنے کا آلہ (Ultraviolet apparatus) لے کر فوراً زیارت لوٹنے کی تاکید کی گئی اور چھ اگست کو وہ یہ آلہ لے کر زیارت پہنچ گئے۔ ڈاکٹر ریاض حسین شاہ نے انھیں بتایا کہ ان کی غیر حاضری میں جناح بہت کمزور ہوگئے اور ان کا بلڈ پریشر بہت گر گیا تھا مگر انجکشن لگانے سے ان کی حالت کچھ بہتر ہوگئی تھی۔

اگلے دن سات اگست 1948ء کو عید الفطر تھی۔ اسی شام برقی شعاعوں سے جناح کے علاج کا آغاز ہوا مگر یہ انھیں موافق نہیں آیا اور ان کے پیروں پر کچھ ورم سا ہو گیا۔

نو اگست کو ڈاکٹروں نے رائے دی کہ زیارت کی بلندی مریض کے حق میں اچھی نہیں اور انھیں کوئٹہ منتقل کر دینا چاہیے۔ جناح پہلے تو 15 اگست سے پہلے سفر کے لیے آمادہ نہیں تھے کیونکہ اسی سال جون میں فیصلہ ہو چکا تھا کہ یوم آزادی 15 کے بجائے 14 اگست کو منایا جائے گا لیکن اپنے معالجین کے اصرار پر وہ 13 اگست کو کوئٹہ جانے پر رضامند ہوگئے۔

جناح کے زیارت کے قیام کے زمانے کی بات ہے کہ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے فاطمہ جناح سے پوچھا: ''آپ کے بھائی کو کچھ کھانے پر کیسے آمادہ کیا جائے، ان کی خاص پسند کا کوئی کھانا بتائیں''۔

فاطمہ جناح نے بتایا کہ بمبئی میں ان کے ہاں ایک باورچی ہوا کرتا تھا جو چند ایسے کھانے تیار کرتا تھا کہ بھائی ان کو بڑی رغبت سے کھاتے تھے، لیکن پاکستان بننے کے بعد وہ باورچی کہیں چلا گیا۔ انہیں یاد تھا کہ وہ لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کا رہنے والا تھا اور کہا کہ شاید وہاں سے اس کا کچھ اتا پتا مل سکے۔

یہ سن کر ڈاکٹر صاحب نے حکومت پنجاب سے درخواست کی کہ اس باورچی کو تلاش کر کے فوراً زیارت بھجوایا جائے۔ کسی نہ کسی طرح وہ باورچی مل گیا اور اسے فوراً ہی زیارت بھجوا دیا گیا تاہم جناح کو اس کی آمد کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔

کھانے کی میز پر انہوں نے اپنے مرغوب کھانے دیکھتے ہوئے تعجب کا اظہار کیا اور خوش ہو کر خاصا کھانا کھالیا۔ جناح نے استفسار کیا کہ آج یہ کھانے کس نے بنائے ہیں تو ان کی بہن نے بتایا کہ حکومت پنجاب

نے ہمارے بمبئی والے باورچی کو تلاش کر کے یہاں بھجوایا ہے اور اس نے آپ کی پسند کا کھانا بنایا ہے۔

جناح نے بہن سے پوچھا کہ اس باورچی کو تلاش کرنے اور یہاں بھجوانے کا خرچ کس نے اٹھایا ہے۔ عرض کیا کہ یہ کارنامہ حکومت پنجاب نے انجام دیا ہے، کسی غیر نے تو خرچ نہیں کیا پھر جناح نے باورچی سے متعلق فائل منگوائی اور اس پر لکھا کہ ''گورنر جنرل کی پسند کا باورچی اور کھانا فراہم کرنا حکومت کے کسی ادارے کا کام نہیں ہے۔ خرچ کی تفصیل تیار کی جائے تا کہ میں اسے اپنی جیب سے ادا کر سکوں'' اور پھر ایسا ہی ہوا۔

13 اگست تا 28 اگست
طبیعت کا سنبھلنا اور کراچی واپسی پر آمادگی

جناح زیارت میں ایک ماہ قیام کے بعد جب 13 اگست 1948ء کی شام کوئٹہ واپس پہنچے تو انہوں نے اپنی معالجوں سے کہا: ''بہت اچھا کیا کہ آپ مجھے یہاں لے آئے۔۔۔ زیارت میں مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پنجرے میں بند ہوں''۔

کوئٹہ پہنچنے کے بعد 16 اگست کو ان کے معالجین نے ایک مرتبہ پھر ان کے ایکسرے اور دیگر ٹیسٹ لیے۔ ایکسرے کے نتائج سے معلوم ہوا کہ جناح کی صحت بتدریج بہتر ہو رہی ہے اور ٹیسٹ کے نتائج نے بھی اسی رائے کو تقویت دی چنانچہ معالجین نے جناح کو مصروف رکھنے کے لیے ان کو اخبارات کے مطالعہ کی اجازت دے دی اور انہیں بعض دفتری فائلیں نمٹانے سے بھی منع نہیں کیا گیا۔

کوئٹہ پہنچنے کے بعد جناح کی صحت چند روز کے لیے اس قدر سنبھل گئی تھی کہ وہ تھکان محسوس کیے بغیر روزانہ ایک گھنٹہ کام کرنے لگ گئے تھے۔ ان کا معدہ بھی بہتر کام کر رہا تھا، یہاں تک کہ ایک دن انہوں نے ڈاکٹروں کے مشورے کے باوجود حلوہ پوری تیار کروا کے شوق سے کھائی۔ چند دن بعد انہوں نے ڈاکٹروں کی اجازت سے سگریٹ نوشی بھی شروع کر دی۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اگر کوئی عادی سگریٹ نوش بیماری کے دوران سگریٹ طلب کرے تو یہ اس کی صحت کی جانب لوٹنے کی علامت ہوتا ہے۔

اب ڈاکٹروں نے جناح کی صحت کا مزید جائزہ لیتے ہوئے ان سے گزارش کی کہ انہیں کوئٹہ سے کراچی منتقل ہو جانا چاہیے لیکن جناح سٹریچر پر لیٹے لاچار کیفیت میں گورنر جنرل ہاؤس نہیں جانا چاہتے تھے۔

ان سے بار بار درخواست کی گئی تو وہ اس شرط پر کراچی جانے پر آمادہ ہوگئے کہ وہ گورنر جنرل ہاؤس میں نہیں بلکہ ملیر میں نواب آف بہاولپور کی رہائش گاہ میں قیام کریں گے۔ ان دنوں نواب آف بہاولپور انگلستان میں مقیم تھے۔

جناح سے کہا گیا کہ ان کی قیام گاہ میں رہائش کے لیے ان کو ایک خط تحریر کرنا پڑے گا تو ان کی اصولی پسندی نے انھیں یہ خط تحریر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مملکت کے گورنر جنرل ہوتے ہوئے اپنی مملکت میں شامل ایک ریاست کے نواب سے کسی قسم کی سہولت حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ اجازت طلب کریں۔

29 اگست
''میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں''

29 اگست 1948ء کو ڈاکٹر الٰہی بخش نے جناح کا ایک مرتبہ پھر معائنہ کیا۔ وہ لکھتے ہیں: ''قائداعظم کا معائنہ کرنے کے بعد میں نے یہ امید ظاہر کی کہ جس ریاست کو آپ وجود میں لائے ہیں اسے پوری طرح مستحکم اور استوار کرنے کے لیے بھی دیر تک زندہ رہیں۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہ آیا تا کہ میرے جذبات سے وہ غمگین ہو جائیں گے۔ ان کے یہ الفاظ اور ان کا افسردہ اور یاس انگیز لہجہ میں کبھی نہیں بھول سکتا''۔

جناح نے ڈاکٹر الٰہی بخش کو مخاطب کر کے کہا: ''آپ کو یاد ہے، جب آپ پہلی بار زیارت آئے تھے تو میں زندہ رہنا چاہتا تھا لیکن اب میرا مرنا جینا برابر ہے''۔

ڈاکٹر الٰہی بخش لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ زبان سے ادا کرتے وقت ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ایک ایسے شخص کو آبدیدہ دیکھ کر، جسے جذبات سے یکسر عاری اور فولاد کی طرح سخت سمجھا جاتا تھا، ڈاکٹر الٰہی بخش دنگ رہ گئے۔ جناح اس وقت بتدریج روبہ صحت تھے، اس لیے جناح کی مضمحل طبیعت سے انہیں اور بھی حیرانی ہوئی۔ انہوں نے وجہ دریافت کی تو جناح نے فرمایا: ''میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں''۔

ڈاکٹر الٰہی بخش لکھتے ہیں کہ: ''اس جواب سے میری الجھن اور بڑھ گئی اور خیال ہوا کہ وہ اصل بات پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں اور جو وجہ انھوں نے بیان کی ہے وہ یونہی ٹالنے کے لیے ہے۔ میں رہ رہ کر سوچتا تھا کہ کیا آج سے پانچ ہفتے پہلے ان کا کام نامکمل تھا اور اب یکا یک پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ کوئی بات ضرور ہے جس نے ان کی جینے کی آرزو مٹادی ہے''۔

یہی واقعہ فاطمہ جناح نے بھی تحریر کیا ہے، مگر قدرے مختلف الفاظ میں۔ وہ لکھتی ہیں: ''اگست کے آخری دنوں میں جناح پر اچانک مایوسی کا غلبہ ہو گیا۔ ایک دن میری آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا'' فاطی۔۔۔ اب مجھے زندہ رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں جتنی جلد چلا جاؤں، اتنا ہی بہتر ہے''۔

''یہ بدشگونی کے الفاظ تھے۔ میں لرز اٹھی، جیسے میں نے بجلی کے ننگے تار کو چھو لیا ہو پھر بھی میں نے صبر وضبط سے کام لیا اور کہا: جن! آپ جلد ہی اچھے ہو جائیں گے۔ ڈاکٹروں کو پوری امید ہے''۔

''میری یہ بات سن کر وہ مسکرائے۔ اس مسکراہٹ میں مرونی چھپی تھی۔ انھوں نے کہا: نہیں۔۔۔ اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتا''۔

یکم ستمبر تا 10 ستمبر
ہیمرج اور کراچی واپسی کی تیاری

یکم ستمبر 1948ء کو جناح نے زیارت سے بری فوج کے سربراہ جنرل ڈگلس گریسی کے نام ایک خط تحریر کیا جو بدقسمتی سے ان کی آخری تحریر ثابت ہوئی۔ اس خط میں انہوں نے لکھا: ''میں نے آپ کے خط کی ایک نقل قائداعظم ریلیف فنڈ کے نائب صدر کو بھیج دی ہے اور میں نے اس فنڈ میں سے تین لاکھ روپے کی امداد کی منظوری دے دی ہے جو تھل پروجیکٹ کے مہاجر فوجیوں کی بہبود کے لیے مخصوص ہے''۔

اسی روز ڈاکٹر الٰہی بخش نے مایوسانہ لہجے میں محترمہ فاطمہ جناح کو بتایا کہ ان کے بھائی کو ہیمرج ہو گیا ہے اور انھیں فوراً کراچی لے جانا چاہیے کیونکہ کوئٹہ کی بلندی ان کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اگلے آنے والے دنوں میں جناح کی طبیعت مزید بگڑتی چلی گئی۔ پانچ ستمبر کو ڈاکٹروں نے تشخیص کیا کہ ان پر نمونیا کا حملہ بھی ہوا ہے۔

ڈاکٹر الٰہی بخش نے امریکہ میں پاکستان کے سفیر مرزا ابوالحسن اصفہانی کو لکھا کہ وہ جناح کے لیے چند ڈاکٹروں کو بھجوا دیں۔ ان ڈاکٹروں کے نام ڈاکٹر فیاض علی شاہ نے تجویز کیے تھے۔ اسی دوران ڈاکٹر الٰہی

بخش نے کراچی سے ڈاکٹر مستری کو بھی کوئٹہ بلوا لیا مگر اس کے باوجود جناح کی طبیعت میں کوئی افاقہ نہیں ہوا اور ان کی نقاہت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

یہ انہی دنوں کی بات ہے جب جناح کے سیکریٹری فرخ امین نے جناح سے کسی کی ملاقات کروانا چاہی تو ڈاکٹر الٰہی بخش نے ان کے کئی بار اصرار کرنے پر بھی یہ اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش نے لکھا ہے کہ انہیں اس ملاقاتی کا نام نہیں بتایا گیا تھا تاہم اس وقت کے حیدر آباد دکن کے وزیر اعظم میر لائق علی نے اپنی کتاب ''ٹریجیڈی آف حیدر آباد'' کے ایک باب میں جس کا عنوان ج''ناح آن ڈیتھ بیڈ'' ہے، میں لکھا ہے کہ یہ ملاقاتی وہ خود تھے تاہم اصرار کرنے کے باوجود جناح سے ملاقات میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

دس ستمبر 1948ء کو ڈاکٹر الٰہی بخش نے فاطمہ جناح کو مطلع کیا کہ اب جناح کے زندہ بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی اور یہ کہ اب وہ فقط چند دنوں کے مہمان ہیں۔

غالباً اسی دن جناح پر بے ہوشی کا ایک غلبہ ہوا۔ اس بے ہوشی کے عالم میں ان کی زبان سے بے ربط الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ وہ بڑ بڑا رہے تھے: ''کشمیر۔۔۔ انہیں فیصلہ کرنے کا حق دو۔۔۔ آئین۔۔۔ میں اسے مکمل کروں گا۔۔۔ بہت جلد۔۔۔ مہاجرین۔۔۔ انھیں ہر ممکن۔۔۔ مدد دو۔۔۔ پاکستان۔۔۔''

11 ستمبر
دو گھنٹوں میں کوئٹہ سے کراچی
دو گھنٹوں میں ایئر پورٹ سے رہائش گاہ تک

گیارہ ستمبر 1948ء کو جناح کو سٹریچر پر ڈال کر ان کے وائی کنگ طیارے تک پہنچا دیا گیا۔ جب انھیں طیارے تک لے جایا جا رہا تھا تو عملے نے انہیں سلامی دی اور پھر سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جناح نے انتہائی نقاہت کے باوجود فوراً ہی ان کا جواب دیا۔ ان کے ہاتھ کی جنبش سے محسوس ہوتا تھا کہ انہیں بستر مرگ پر بھی نظم و ضبط کے تقاضوں کا مکمل احساس تھا۔

کوئٹہ سے کراچی تک کا سفر دو گھنٹے میں طے ہوا۔ اس دوران جناح بڑے بے چین رہے۔ انھیں بار بار آکسیجن دی جاتی رہی، یہ فرض کبھی فاطمہ جناح اور کبھی ڈاکٹر الٰہی بخش ادا کرتے رہے۔

ڈاکٹر مستری، نرس ڈنھم، نیول اے ڈی سی لیفٹیننٹ مظہر احمد اور جناح کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکریٹری فرخ امین بھی اسی طیارے میں سوار تھے۔

طیارہ جناح کو لے کر سہ پہر سوا چار بجے ماری پور کے ایئر پورٹ پر اترا۔ جناح کی ہدایت پر انہیں لینے کے لیے آنے والوں میں نہ حکومت کا کوئی اہم رکن موجود تھا، نہ ہی ضلعی انتظامیہ ان کی آمد سے باخبر تھی۔ ایئر پورٹ پر ان کا خیر مقدم کرنے والوں میں گورنر جنرل کے ملٹری سیکریٹری لیفٹیننٹ کرنل جیفری نولز کے علاوہ اور کوئی بھی نہ تھا۔

گورنر جنرل کے سٹاف نے انہیں سٹریچر پر ڈال کر فوجی ایمبولینس میں منتقل کیا۔ فاطمہ جناح اور فلس ڈنھم ان کے ساتھ بیٹھ گئیں جبکہ ڈاکٹر الٰہی بخش، ڈاکٹر مستری اور کرنل جیفری جناح کی کیڈیلیک کار میں سوار ہو گئے۔

جناح کی ایمبولینس نے ابھی فقط چار میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ اس کا انجن پیٹرول ختم ہونے کے باعث ایک جھٹکے سے ساتھ بند ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ایمبولینس کے پیچھے پیچھے آنے والی کیڈیلیک کار، سامان بردار ٹرک اور دوسری گاڑیاں بھی رک گئیں۔

قائد کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ راستے میں بلا وجہ ایک لمحہ بھی ضائع کیا جاتا۔ ڈرائیور 20 منٹ تک انجن کو ٹھیک کرنے کی جدوجہد کرتا رہا۔ آخر فاطمہ جناح کے حکم پر ملٹری سیکریٹری اپنی کار میں ایک اور ایمبولینس لینے کے لیے روانہ ہو گئے اور ڈاکٹر مستری بھی ان کے ساتھ تھے۔

ادھر ایمبولینس میں شدید حبس کا عالم تھا۔ سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ اس بے چینی پر مستزاد وہ سینکڑوں مکھیاں تھیں جو جناح کے چہرے کے اردگرد منڈلا رہی تھیں اور ان میں انہیں اڑانے کی سکت نہ تھی۔ فاطمہ جناح اور سسٹر ڈنھم باری باری انھیں گتے کے ایک ٹکڑے سے پنکھا جھلتی رہیں۔ ہر لمحہ بڑی اذیت میں گزر رہا تھا۔

کرنل نولز اور ڈاکٹر مستری کو گئے ہوئے بڑی دیر ہو گئی تھی لیکن نہ فوجی ایمبولینس کا انجن درست ہوا اور نہ کوئی اور متبادل انتظام ہو سکا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش اور ڈاکٹر ریاض بار بار اپنے قائد کی نبض دیکھتے تھے جو بتدریج ڈوب رہی تھی۔ بابائے قوم کو ایمبولینس سے کار میں منتقل کرنا بھی ممکن نہیں تھا کیونکہ سٹریچر کار میں رکھا نہیں جا سکتا تھا اور خود جناح میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ کار میں بیٹھ یا لیٹ سکتے۔

اس موقع پر امر انتہا تعجب خیز ہے کہ دارالحکومت میں کسی نے یہ جاننے کی زحمت بھی نہ کی کہ جناح سوا چار بجے ایئر پورٹ پر اترنے کے باوجود ابھی تک گورنر جنرل ہاؤس کیوں نہیں پہنچے، ان کا قافلہ کہاں ہے اور ان کی طبیعت کیسی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جناح کی کراچی آمد راز رکھی گئی تھی مگر کیا واقعی حکومت کے اعلیٰ عہدے داران ان کی آمد سے باخبر نہ تھے؟ کیا کسی کو یہ بھی خبر نہیں تھی کہ اسی صبح گورنر جنرل کا خصوصی طیارہ کوئٹہ بھیجا گیا ہے اور شام میں کسی بھی وقت دارالحکومت میں ان کی آمد متوقع ہے؟

واقفان حال بتاتے ہیں کہ چار ستمبر 1948ء کو جب کابینہ کے سیکریٹری جنرل چوہدری محمد علی گورنر جنرل کی نازک حالت دیکھ کر کراچی واپس پہنچے تھے تو اسی شام وزیر اعظم ہاؤس میں کابینہ کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ اس اجلاس میں جناح کی بیماری زیر بحث نہ آئی ہو۔

اس کے بعد جب میر لائق علی گورنر جنرل سے ملے بغیر کراچی واپس لوٹ آئے تو انہوں نے غلام محمد کی رہائش گاہ پر لیاقت علی خان، چوہدری محمد علی اور سر ظفر اللہ خان کو جناح کی انتہائی تشویش ناک حالت سے آگاہ کیا اور بقول میر لائق علی کے ''تمام افراد حیرت زدہ رہ گئے تھے''۔

اس پس منظر میں جناح کی کراچی آمد سے حکومت کے کارپردازوں کی بے نیازی اور بے خبری تصویر کے کس رخ کی نشاندہی کرتی ہے؟ یہ سوال آج بھی لمحہ فکریہ ہے۔

پاکستان میں انڈیا کے پہلے ہائی کمشنر سری پرکاش نے اپنی کتاب ''پاکستان: قیام اور ابتدائی حالات'' میں بھی اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ: ''ان دنوں مقامی ریڈ کراس کے انچارج جمشید مہتاب تھے جن کی عزت کراچی کا ہر فرد بشر کرتا تھا۔ بعد میں انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے شام کو پیغام ملا کہ ایک آدمی بہت علیل ہے۔ کیا آپ اس کے لیے ایمبولینس بھیج سکتے ہیں؟ یہ واقعہ ساڑھے پانچ بجے شام کا ہے''۔

خدا خدا کر کے کرنل نولز اور ڈاکٹر مستری ایک

دوسری ایمبولینس لے کر واپس آئے۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ وہی ایمبولینس ہوگی جس کا ذکر سری پرکاش نے کیا ہے۔

جناح کو سٹریچر پر ڈال کر اس ایمبولینس میں منتقل کیا گیا اور یوں شام چھ بج کر دس منٹ پر وہ گورنر جنرل ہاؤس پہنچے۔ ایئرپورٹ سے رہائش گاہ تک کا نو میل کا فاصلہ جو زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ میں طے ہوجانا چاہیے تھا تقریباً دو گھنٹے میں طے ہوا۔ یعنی دو گھنٹے کوئٹہ سے کراچی تک اور دو گھنٹے ایئرپورٹ سے گورنر جنرل ہاؤس تک۔

یہ تکلیف دہ سفر جناح نے اس کسمپرسی کے عالم میں کیا کہ ہماری تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے اور نہ کوئی توجیہہ۔

سری پرکاش نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں تحریر کیا ہے کہ: ''مسٹر جناح کے انتقال کے وقت فرانسیسی سفارت خانے میں کاک ٹیل پارٹی ہو رہی تھی۔ میں نے اس پارٹی میں نواب زادہ لیاقت علی خان سے مسٹر جناح کے آنے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ مسٹر جناح سادہ مزاج آدمی ہیں، اس لیے انہوں نے اس کو پسند نہیں کیا کہ ان کی آمد کے وقت ہنگامہ ہو''۔

گورنر جنرل ہاؤس پہنچنے کے بعد جناح فقط سوا چار گھنٹے زندہ رہے اور اس دوران وہ تقریباً غنودگی کے عالم میں رہے۔

ڈاکٹروں نے انہیں طاقت کا ایک انجکشن لگایا اور ڈاکٹر الٰہی بخش کے بقول جب انہوں نے ہوش میں آنے پر جناح سے کہا کہ وہ جلد ہی ٹھیک ہوجائیں گے تو انہوں نے آہستگی سے کہا: ''نہیں۔۔۔ میں زندہ نہیں رہوں گا''۔ ڈاکٹر الٰہی بخش کے مطابق یہ ''قائد اعظم'' محمد علی جناح کے آخری الفاظ تھے۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے لکھا ہے کہ جناح کے آخری الفاظ ''اللہ۔۔۔ پاکستان'' تھے جبکہ فاطمہ جناح ''مائی برادر'' میں لکھتی ہیں: ''جناح نے دو گھنٹے کی پرسکون اور بے خلل نیند کے بعد اپنی آنکھیں کھولیں، سر اور آنکھوں سے مجھے اپنے قریب بلایا اور میرے ساتھ بات کرنے کی آخری کوشش کی۔ ان کے لبوں سے سرگوشی کے عالم میں نکلا: ''فاطی۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ''۔ پھر ان کا سر دائیں جانب کو آہستگی سے ڈھلک گیا اور ان کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

بقیہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بطور امیر المومنین ذریعہ معاش

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیعت خلافت کے دوسرے روز کچھ چادریں لے کر بازار جا رہے تھے، حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ فرمایا: بغرض تجارت بازار جا رہا ہوں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اب آپ رضی اللہ عنہ یہ کام چھوڑ دیجیے، اب آپ لوگوں کے خلیفہ (امیر) ہوگئے ہیں۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں یہ کام چھوڑ دوں تو پھر میرے اہل و عیال کہاں سے کھائیں گے؟ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ رضی اللہ عنہ واپس چلیے، اب آپ رضی اللہ عنہ کے یہ اخراجات حضرت سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ طے کریں گے۔ پھر یہ دونوں حضرات حضرت سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل و عیال کے واسطے ایک اوسط درجے کے مہاجر کی خوراک کا اندازہ کر کے روزانہ کی خوراک اور موسم گرما و سرما کا لباس مقرر کیجیے لیکن اس طرح کہ جب پھٹ جائے تو واپس لے کر اس کے عوض نیا دے دیا جائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے آدھی بکری کا گوشت، لباس اور روٹی مقرر کردی۔ (تاریخ الخلفاء، امام سیوطی، ص59)

امام عالی مقام سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: دیکھو! یہ اونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے ہیں اور یہ بڑا پیالہ جس میں کھاتے پیتے ہیں اور یہ چادر جو میں اوڑھے ہوئے ہوں یہ سب بیت المال سے لیا گیا ہے۔ ہم ان سے اسی وقت تک نفع اٹھا سکتے ہیں جب تک میں مسلمانوں کے امور خلافت انجام دیتا رہوں گا۔ جس وقت میں وفات پا جاؤں تو یہ تمام سامان حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دے دینا۔ چنانچہ جب آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ تمام چیزیں حسب وصیت واپس کردیں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چیزیں واپس پا کر فرمایا:

''اے ابوبکر! اللہ آپ پر رحم فرمائے کہ آپ نے تو اپنے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا ہے''۔

(تاریخ الخلفاء، امام سیوطی، ص60)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خصوصی اہمیت و فضیلت حاصل تھی۔ قرآن مجید کی تقریباً 32 آیات آپ کے متعلق ہیں جن سے آپ کی شان کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ مجھ پر جس کسی کا احسان تھا میں نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے مگر ابوبکر کے مجھ پر وہ احسانات ہیں جن کا بدلہ اللہ تعالیٰ روز قیامت انہیں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیرتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے اپنے اقوال، اعمال اور احوال بدلنے کی توفیق عطا فرمائے اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیرات سے ہمارے قلوب و ارواح کو منور فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گزرے تو آپ نے فرمایا:

''الحق مع ذا'' حق انہی کے ساتھ ہے۔ علی جدھر گھومتا ہے حق ادھر ہی گھوم جاتا ہے۔ یہ حق ہے کہ حق کی جلوہ گری ایک اسم کی صورت میں ہوئی اور قرآن مجید کی پہلی اترنے والی آیت میں بھی یہی کہا گیا کہ اپنے رب کے عظیم اسم سے پڑھ۔ صرف پڑھنا فائدہ دیتا ہی ہے لیکن اس سے چمک اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اللہ کا اسم دلوں میں ہنگامِ عشق وارد کردیتا ہے۔ یاد رکھو لو بیعت کرو اور حق کے ساتھ زندگی گزار دو''۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: ڈاکٹر محمد آصف، لاہور

سالانہ اجتماع کے خاص خاص نکات اور جھلکیاں

ماسٹر احسان الٰہی

مرکزی ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ راولپنڈی کی جامع مسجد غوثیہ میں ہر سال فارغ التحصیل علما کرام کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے ان کی دستار بندی اور تقسیمِ اسناد کی ایک پُر وقار اور روحانی تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں علماء و مشائخ عظام، پیرانِ طریقت، سکالر حضرات، انجینئرز ڈاکٹر اور وکلاء کے علاوہ شاہ جی قبلہ کے دیگر محبین و متوسلین، سنگی حضرات دور دراز سے سفر کر کے کثیر تعداد میں شرکت کرتے ہیں اور اس روحانی تقریب میں شمولیت، باعثِ برکت و اجر و ثواب متصور کرتے ہیں اور فیوض و برکات کے ثمرات سے اپنے دامن اور جھولیاں بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔

حضرت قبلہ شاہ جی اس تقریب میں کسی سیاسی یا حکومتی بست و کشاد شخصیات کو مدعو نہیں کرتے صرف دینی، مذہبی اور روحانی شخصیات اور فروغِ فکر قرآن سے وابستہ معزز افراد کو دعوت دی جاتی ہے اور لوگ کشاں کشاں، جوق در جوق اس روحانی پروگرام میں شریک محفل ہوتے ہیں اور اس جشنِ بہاراں کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اس سال بھی 5 نومبر 2023 بروز اتوار یہ دینی، مذہبی اور وحانی فروغِ فکر قرآن کانفرنس انعقاد پذیر ہوئی اور ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ راولپنڈی سکرٹریٹ عشاقِ رسول اللہ ﷺ اور مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے متوالوں اور حیدر حیدر کا مستانہ وار نعرہ لگانے والوں سے بھر پور تھا۔ دینی و اسلامی بھائیوں کا چمکتے، دمکتے اور مہکتے چہروں کا یہ جمِ غفیر عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ سرور و سرشاری کی کیفیت چہروں سے عیاں تھی اور سنگی حضرات ایک دوسرے کو والہانہ محبت و الفت سے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

میرے تفسیر القرآن کے استادِ مکرم و محترم جناب محمد بہاؤ الدین دامت برکاتہم نے مجھے حکم دیا کہ 5 نومبر 2023 کے اجتماع کے بارے کچھ لکھ دینا۔ استادِ محترم کے حکم کی تعمیل میں صرف اجتماع کی خاص خاص جھلکیاں پیشِ خدمت کرنے کی کوشش کروں گا۔ 5 نومبر کے اجتماع کی مکمل رپورٹنگ تو عظیم سکالر، مصنف، ممتاز عالم دین اور شاہ جی قبلہ کے خلیفۂ مجاز محترم ڈاکٹر منظور حسین اختر ہی قلمبند کریں گے۔ میری کیا مجال اور حیثیت کہ ان کے مقابل کچھ لکھوں۔ میری اوقات تو ان کے روبرو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

عرصہ دراز سے معمول ہے کہ حضرت قبلہ شاہ جی ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ سے فارغ التحصیل حفاظ اور علماء کرام کی دستار بندی تہجد کے وقت فرماتے ہیں۔ اس دفعہ بھی شاہ جی ادارہ ہٰذا کی جامع مسجد غوثیہ میں تشریف فرما ہوئے اور علمائے کرام کی دستار بندی کی۔ ایک مختصر سی نشست میں حافظ شیخ محمد قاسم صاحب نے تشریف فرما ہونے والے حضرات کا مختصر تعارف کروایا۔ جن کے اسمائے گرامی یوں ہیں:

محترم سید شفیق حسین شاہ بخاری صاحب سابق سیکرٹری اوقاف پنجاب، پیر سید ناصر سلطان علی شاہ صاحب، پیر سید ابرار حسین شاہ صاحب، پیر سید اسماعیل شاہ صاحب، محمد اشرف تبسم، پیر سید فہد حسین شاہ صاحب، صاحبزادہ سید فیصل ریاض حسین شاہ صاحب، صاحبزادہ سید نعمان ریاض حسین شاہ صاحب، پیر سید مظہر سجاد کاظمی صاحب پیر علامہ مفتی لیاقت علی نقشبندی، ایمز سکول کے پرنسپل عارف سہیل صاحب، علامہ مولانا بشیر القادری صاحب، علامہ پروفیسر رضوان انجم صاحب، قرأت اور تجوید کے بنیادی استاد قاری اللہ بخش آصف محمود نقشبندی، سید معین حسین شاہ کے علاوہ ان پرکیف لمحات اور ہمایوں گھڑیوں میں دیگر مریدین، محبین اور متوسلین، سید ظہیر عباس شریک محفل ہوئے۔

سید اعزاز حسین شاہ نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے حضور نعت شریف کا ہدیہ پیش کیا اور پھر مرشد کریم حضرت شاہ جی نے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 107 کی تلاوت فرمائی اور اس کی روشنی میں سامعین اور علماء کرام سے اصلاحی گفتگو کا آغاز کیا اور فرمایا کہ اللہ نے تم کو ایمان کی ہدایت دی اس پر اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کرو اور سپاس گزار بنو کہ تمہیں ایمان والا بنا دیا۔ کردار سے ثابت کریں کہ واقعی تم ایمان والے ہو اور کردار میں صدق کو ساتھ جوڑ دیا کہ خلوص پیدا کرو۔ سچے اور کھرے بن کر رہو۔ آپ نے فرمایا کہ ترمذی میں ایک حدیث میں مومن کی تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں:

1۔ پہلی نشانی یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ دیا ہے اس کو اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو۔ اس سے ایمان میں مضبوطی آئے گی جو اپنے مال میں سے ایمان اور اسلام کی راہ میں خرچ کرے گا۔ وہ عزت پائے گا اور اسلام کو فروغ حاصل ہوگا۔ دیے سے دیا اور چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو اغیار کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ وہ ذلیل اور ناکام و نامراد ہو کر رہے گا اس لیے اپنے آپ کو ضائع نہ ہونے دو۔

2۔ مومن کی دوسری نشانی یہ ہے کہ امن اور ایمان کو پوری دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ جدوجہد اور کوشش میں سرگرداں رہتا ہے۔ حکمت اور دانائی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرو اور اسلام کے فروغ کے لیے ہمہ وقت مصروفِ کار رہو۔ خشک چشمہ نہ بنیں۔ لوگوں کے لیے نفع بخش اور سود مند بننے کی کوشش میں لگے رہیں اللہ کامیابی کی منزل عطا فرمادے گا۔

3۔ اور تیسری نشانی یہ ہے کہ مومن اللہ کے ذکر میں مستغرق رہتا ہے۔ اللہ کے دین، اس کی عبادت اور قرآن سے جڑے رہو۔ فلاح اور نجات پا جاؤ

گے۔ اللہ کا ذکر بڑے کام کی چیز ہے۔ تمام سلاسل کے مشائخ ہمیشہ اللہ کے ذکر کی تلقین پر زور دیتے رہے۔

حضرت قبلہ شاہ جی نے فرمایا کہ آج حالات یہ ہیں کہ یہود اور اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کو زیر کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں اور ہر وہ حربہ بروئے کار لانے کا جتن کرتے رہتے ہیں جس سے مسلمان کمزور ہوں لیکن ہمیں اتنے ہی زیادہ عزم اور اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایمان کی حرارت اور حیدر حیدر کے جذبے سے انہیں مات کرنا ہوگا۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ایمانی جذبے اور طاقت کے سامنے ہر چیز ہیچ ہے۔

بعدازاں نمازِ تہجد باجماعت ادا کی گئی۔ پہلے دو نفل شاہ صاحب نے اللہ کی مدد کے شکرانے کے خود پڑھائے اور باقی آٹھ نفل علامہ محمد بشیر القادری کی امامت میں ادا ہوئے۔ پھر دستار بندی ہوئی۔

محفل ذکر کا آغاز

محفل ذکر کا آغاز مقررہ وقت 10-30 بجے کر دیا گیا۔ زینت القراء قاری غضنفر علی صاحب نے تلاوت قرآن پاک کی سعادت کی۔ اس کے بعد محترم جناب زین العابدین سعیدی جو لاہور سے تشریف لائے۔ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کے حضور ہدیہ نعت پیش کیا۔ نقابت کے فرائض حافظ شیخ محمد قاسم صاحب سرانجام دے رہے تھے۔ بعدازاں شاہ جی کے حکم پر علامہ مولانا بشیر القادری صاحب نے ختم شریف پڑھا اور بغیر کسی القابات بڑی سادگی اور وقار کے ساتھ شاہ جی سامعین سے محوِ گفتگو ہوئے اور فرمایا آج ہم یہاں دل کا معاملہ اللہ کے ساتھ لگانے کے لیے آئے ہیں۔ شاہ جی نے اپنے آباؤ اجداد، مشائخ واولیائے کرام کے درجات میں بلندی کے لیے دعائیہ کلمات ادا فرمائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ان نیک لوگوں کی وجہ سے ہمیں گناہوں، میل کچیل اور گندی اور بری عادتوں سے نجات عطا فرمائے آپ نے فرمایا حضور ﷺ نے انسانیت کی اصلاح کے لیے اپنی زندگی میں کم و بیش ایک ہزار سے زیادہ خطبے ارشاد فرمائے۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ Personality maker بن جاؤ۔ اچھی اقدار اپناؤ اور اس کی حوصلہ افزائی کرو۔ اچھا بندہ بننے کی کوشش کرو۔ ایسا رویہ اور عادت اپناؤ کہ لوگ تمہارے گرویدہ ہو جائیں۔ اخلاقیات کا مرقع بن جاؤ۔ ایسا برتاؤ اور زندگی کا معمول بناؤ کہ لوگ تم سے متاثر ہوں۔ قرآن کی تعلیم اور اس کے فہم کو عام کرو۔ قرآن پڑھو، سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو۔ لوگوں کو خوش کرو، قرآن صرف کھولنے اور اس کو دیکھنے ہی سے گناہ ختم ہو جائیں گے۔ کتاب سے محبت کرو اس سے زندگی کا سفر آسان ہو جائے گا اور مشکلیں کم ہونا شروع ہو جائیں گی۔ یہ سب سے بڑا وظیفہ اور مجرب نسخہ ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ آقا ﷺ پر کثرت سے درود پڑھو کثرت بڑھتی جائے گی اللہ کا قرب بڑھتا جائے گا اور جب کثرت اور قرب کا ملاپ ہوگا تو یہ آپ کو بڑا کر دے گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرو۔ اچھے لوگوں کے ساتھ اچھی جگہ بیٹھ کر ذکر کرو گے تو ذکر بھی اچھا ہو جائے گا اور روحانی سکون بھی میسر آجائے گا۔ اللہ کا ذکر دلوں کے زنگ دھوڈالتا ہے اور سب سے بڑی بات کہ مرشدِ کامل کی صحبت ذکر کو اچھا کر دیتی ہے۔ ہر پریشانی، ہر مصیبت اور ہر مسئلے کا حل اللہ کا ذکر اور استغفر اللہ کا ورد ہے۔

اپنی Self study کریں اور کھوج لگائیں کہ کہاں گندگی ہے وہ گندی عادتیں چھوڑ دو، گندے دوست، گندی محفلیں، گندی باتیں چھوڑ دو۔

صحبت صالح ترا صالح کنند
صحبتِ طالع ترا طالع کنند

کتاب مجید اور سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کریں۔ آپ محسوس کریں گے کہ کوئی نیا جہان آباد ہو گیا ہے، روحانی سکون اور لذت محسوس ہونے لگ جائے گی۔

بعدازاں شاہ جی نے لاہور سے تشریف لانے والے عقیدت مند محترم جناب ظہیر عباس صاحب کو پاس بلا کر ان کو مسند خلافت عطا کی اور اپنی دستارِ فضیلت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اس کی لاج رکھنا اور حفاظت کرنا اور ساتھ ہی راولپنڈی کی مذہبی، اسلامی اور روحانی شخصیت محترم حاجی جناب فیاض احمد صاحب کو بھی اپنا خلیفہ مقرر کیا اور دستار بندی کی، تمام شرکاء محفل نے ان دونوں حضرات کو مبارکبادیں دیں۔

آخر میں کثیر تعداد میں لوگوں کو بیعت کیا اور ذکر کیا گیا اور تمام حاضر وغیر حاضر سنگیوں اور احباب کے لیے اور خاص طور پر تمام امتِ مسلمہ کے لیے خصوصی دعا فرمائی اور شاہ جی کچھ دیر کے لیے خواتین کے پنڈال کی طرف تشریف لے گئے اور حافظ محمد قاسم صاحب نے زائرین کو کھانے کی دعوت دی اور نمازِ ظہر کا وقفہ کیا گیا۔ محفل ذکر کی اس نشست میں جو حضرات سٹیج پر موجود رہے۔ حافظ قاسم صاحب ان کا تعارف کرواتے رہے۔ ان میں خصوصی طور پر تشریف لانے والوں کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ محترم جناب سید فیصل ریاض حسین شاہ صاحب
2۔ محترم جناب سید نعمان ریاض حسین شاہ صاحب
3۔ محترم جناب سید مظہر سجاد کاظمی صاحب
4۔ محترم جناب سید ضیاء الحق جیلانی صاحب
5۔ محترم جناب سید شفیق حسین شاہ صاحب بخاری

خلفاء میں

6۔ محترم جناب پروفیسر محمد بہاؤ الدین صاحب
7۔ محترم جناب ڈاکٹر حمزہ مصطفائی صاحب
8۔ محترم جناب پیر گلزار احمد نقشبندی صاحب اسلام آباد
9۔ محترم جناب علامہ مولانا بشیر القادری صاحب
10۔ محترم جناب محمد زبیر صاحب ہری پور
11۔ محترم جناب ڈاکٹر محمد سلیم صاحب شیخوپورہ
12۔ محترم جناب مرزا نثار احمد صاحب جہلم
13۔ محترم جناب ڈاکٹر منظور حسین اختر صاحب لاہور

اس کے علاوہ کثیر تعداد میں علمائے کرام، مشائخ عظام، پیرانِ طریقت اور دیگر محبین اور متوسلین شرکائے محفل تھے۔

دوسری نشست

لنگر شریف اور نمازِ ظہر کے بعد دوسری نشست (تقسیمِ اسناد) کا آغاز 1:35 پر ہوا۔ لاہور سے تشریف لائے نقابت کے معروف شاہسوار جناب صفدر علی محسن نے سٹیج سنبھالا۔ اس تقریب کا آغاز عالمی شہرت یافتہ قاری القراء، زینت القراء، قاری مشتاق احمد نعیمی کی تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ جنہوں نے نہایت خوبصورت آواز اور لہجے میں قرآن مجید کی آیات تلاوت کیں اور سماں باندھ دیا۔

پھر نقیب تقریب صفدر علی محسن صاحب نے لاہور سے مشہور ومعروف ثناء خوانِ مصطفیٰ الحاج شہزاد حنیف مدنی کو دعوت دی کہ وہ حضور آقا ﷺ کے حضور ہدیہ نعت پیش کریں۔

اس تقریب میں جو مہمانانِ گرامی تشریف لاتے رہے۔ ان کا باقاعدہ تعارف کروایا جاتا رہا اور ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ کی جانب سے اس روحانی تقریب

میں تشریف آوری پر شکر گزاری کے کلمات ان کی نذر کیے جاتے۔ جو مہمانانِ گرامی اس روحانی نشست تقسیمِ اسناد میں تشریف فرما ہوئے ان کے نام کچھ یوں ہیں:

سید شفیق حسین شاہ بخاری لاہور سابق سیکرٹری اوقاف پنجاب، سید طاہر رضا بخاری سیکرٹری اوقاف مذہبی امور پنجاب، سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ جسٹس ریٹائرڈ قاسم علی خان، حضرت پیر شمیم صابر صابری صاحب، سجادہ نشین آستانہ عالیہ کلر شریف، حضرت دیوان احمد مسعود چشتی فاروقی سجادہ نشین بابا فرید گنج شکر، حضرت پیر جابر علی شاہ ہمدانی سجادہ نشین بھنگالی شریف، ماہر قانون دان محترم جناب فیاض احمد انجم جندران سابق جج اسلام آباد ہائی کورٹ۔

اس کے علاوہ ہمارے آقا زادے سید فیصل ریاض حسین شاہ، سید نعمان ریاض شاہ، سید مظہر سجاد کاظمی، شاہ جی کے خلفاء، علماء و مشائخ عظام، پیرانِ طریقت، محترم جناب حافظ ولی الرحمٰن صاحب، حافظ نور احمد بندیالوی اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر تشریف فرما ہوئے۔ محمد نواز کھرل صاحب بھی سٹیج پر موجود تھے۔ جھنگ سے حافظ نجی احمد اور ملتان سے قاری فیض بخش رضوی بھی زینتِ محفل ہوئے۔ پیر سید ناصر سلطان شاہ صاحب حافظ آباد بھی رونق محفل تھے۔

یادگار اور رفعت مآب سالانہ اجتماع میں ادارہ ہذا سے فارغ التحصیل علمائے کرام کو اسناد ہدیہ کرنے کے لیے علامہ مفتی لیاقت علی صاحب نے اسٹیج سنبھالا اور باری باری نام پکار کر محفل میں موجود تمام معزز مہمانانِ گرامی سے علماء کو اسناد دلوائی گئیں اور ساتھ ساتھ مفتی صاحب علماء کرام جن کو اسناد عطا کی گئیں ان کا تعارف بھی کرواتے رہے اور یہ سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہا اور 51 علمائے کرام وحفاظ صاحبان کو اسناد دی گئیں۔

اس موقع پر جن معزز مہمانوں کو خطاب کی دعوت دی گئی ان میں ماہر قانون دان اور دانشور محترم فیاض احمد جندران، محترم جناب سید طاہر رضا بخاری سیکرٹری اوقاف پنجاب، محترم جناب جسٹس ریٹائرڈ قاسم علی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

پھر ماحول کو تھوڑا سا مزید روحانی رنگ چڑھانے کے لیے کلر شریف کے درباری نعت خواں محترم جناب عظمت صابری کو بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ عقیدت کے لیے دعوت دی گئی تو ماحول میں نرمی اور گرمی کا ملا جلا ماحول مزید سازگار ہو گیا اور حیدر حیدر کی پکار پڑ گئی۔ اس کے بعد قاری فیض بخش صاحب رضوی ملتان کو دعوتِ خطاب کے لیے پکارا گیا۔ ان تمام حضرات نے ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ کے فارغ التحصیل علماء کرام کو مبارکباد کے ساتھ ساتھ ان کو آئندہ اگلی نسل کی کردار سازی اور فروغِ فکرِ قرآن کے لیے اپنے اپنے حصہ کا کام کرنے کی ترغیب دلائی اور ادارہ ہذا کی خدمات کو سراہا اور شاہ جی کی صحت، عمر درازی اور نیک تمناؤں اور خواہشات کا اظہار کیا اور اس روحانی تقریب میں اپنی شرکت کو باعث صد افتخار گردانا۔ مزید تفصیل علامہ ڈاکٹر منظور حسین اختر کے مضمون میں آپ کو پڑھنے کا موقع مل جائے گا۔

آخر میں میزبانِ تقریب قبلہ شاہ جی نے خطاب میں فرداً فرداً تمام معزز مہمانان گرامی کا نام لے لے کر شکریہ ادا کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں موجود خواتین کی شرکت پر بھی خوشی کا اظہار کیا۔

قبلہ شاہ جی نے اپنے تربیتی خطاب میں ارشاد فرمایا کہ محبت اور خوشیاں تقسیم کرو جو آدمی آپ سے محبت کرتا ہے اس سے کبھی نفرت نہ کرو۔ خواجہ غریب نواز بھی گندے مندے ہندوؤں کو گلے لگاتے تھے اور ان کو محبت دیتے تھے اور لنگر کھلاتے تھے۔ یہ محبت اور ہمدردی کا جوہر ہی تھا کہ 90 لاکھ ہندو مسلمان ہو گئے۔ ایک دوسرے سے جڑے رہو، دوسری بات یہ کہ جو آپ کو مانتا ہے، آپ پر یقین رکھتا ہے اسے کبھی دھوکا نہ دینا، اسے مایوس نہ ہونے دینا۔ مولا علی کے حوالے سے آپ نے فرمایا کہ بڑی سوچ اپناؤ اور بڑے بندوں کے ساتھ بیٹھو۔ بڑے بندے آپ کو Up lift کر دیں گے۔ یزید پلیدی اور نحوست کا استعارہ ہے اس سے وابستہ ہو گے تو خود بھی گندے ہو جاؤ گے اور حسین رفعت، بلندی اور آسمان کا نام ہے اس سے وابستہ ہو گے تو دین و دنیا سنور جائے گی۔ حیدر حیدر کرنا دل اور محبت کا ترانہ ہے۔ علی ہمارے ایمان کا محافظ اور مددگار ہے۔ علی علیہ السلام سے عشق سے بندہ Strong ہوتا ہے اور ایمان قوی اور مضبوط ہوتا ہے۔ ڈر اور خوف ختم ہو جاتا ہے۔

شکر اور سپاس گزاری کی عادت اپناؤ۔ جو آپ پر احسان کرے اس کو کبھی نہ بھولو۔ جس نبی کی آل پر نماز کے اندر درود پڑھتے ہو اسے باہر سے بھی قبول کرو اور یاد رکھو۔ منزل نصیب ہو جائے گی۔ ہم درود والے ہیں بارود والے نہیں ہیں۔ کثرت سے درود عام کرو اور محبت عام کرو۔ نفرت انتہائی قابلِ مذمت کام ہے۔ شاہ جی نے مولا علی کی تعلیمات کی روشنی میں ارشاد فرمایا کہ سوچ بڑی کرو، محنت اور کوشش میں لگے رہو، زندگی کے اہداف مقرر کرو۔ اپنے بچوں کے اہداف مقرر کرو۔ لوگوں کی مدد کرنا سکھاؤ، انہیں اچھی تعلیم دیں اچھا بننا اور اللہ اللہ کرنا سکھائیں اور اپنی ذات کے ساتھ مخلص ہو جاؤ۔ مخلص اور سچے ہو جاؤ۔ آپ کی باتوں سے چہرے کھل اٹھیں اور لوگ متاثر ہوں۔

آخر میں حضرت قبلہ شاہ جی نے بابا فرید گنج شکر کے سجادہ نشین حضرت دیوانِ مسعود چشتی سے دعا کرنے کے لیے کہا۔ دیوان مسعود صاحب نے عالمِ اسلام کے مسلمانوں اور خصوصاً فلسطین کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرضی پیش کی۔ ادارہ ہذا کی مزید ترقی کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار فرمایا، شاہ جی قبلہ کی صحت اور درازیٔ عمر کی دعا فرمائی۔ تمام حاضرین مجلس کے لیے دعا فرمائی۔ یوں یہ 5 نومبر کا اجتماع اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے آئندہ سال کی امید (بشرط زندگی) کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

خاص خاص جھلکیاں

1۔ امسال فروغِ فکرِ قرآن کا سالانہ اجتماع 5 نومبر 2023ء بروز اتوار مرکزی ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ راولپنڈی کی جامع مسجد غوثیہ میں انعقاد پذیر ہوا۔ موسم اور ماحول بہت خوشگوار اور موزوں تھا۔

2۔ مسجد کے وسیع و عریض ہال کے بائیں جانب آراستہ و پیراستہ سٹیج جاذبیت، کشش اور کمپیوٹرائزڈ قمقموں کے لحاظ سے دل موہ لینے والا تھا۔

3۔ معزز مہمانان گرامی کے لیے سٹیج پر بڑے خوبصورت صوفے اور مخصوص کرسیاں لگائی گئیں اور ان پر نام چسپاں تھے تاکہ کسی کو بیٹھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔

4۔ سپیکر اور ساؤنڈ سسٹم کا انتظام نہایت اعلیٰ، مثالی اور قابلِ داد تھا۔

5۔ عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ اور مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے متوالوں اور شاہ جی کے جاں نثاروں کی سالانہ اجتماع میں شرکت قابلِ رشک اور دیدنی تھی جس میں چاروں صوبوں کی نمائندگی موجود تھی۔ 4 نومبر رات ہی سے قافلے ادارہ ہذا میں پہنچنے شروع ہو گئے تھے اور 5 نومبر کی صبح تک قافلوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔

6۔ مہمانوں کے آرام کرنے اور صبح کے ناشتے کا

مناسب انتظام موجود تھا۔

7۔لاہور کے سنگیوں اور مہمانوں کے لیے جامع مسجد شیخ امین میں آرام کرنے اور صبح کے ناشتے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

8۔مسجد کا صحن اور ہال محافل کے دوران کھچا کھچ بھرا رہا۔

9۔خواتین کے لیے علیحدہ سے پنڈال کا انتظام کیا گیا جس میں ہزاروں خواتین نے شرکت کی۔

10۔لائیو کوریج کے لیے پروجیکٹرز، ملکی وغیر ملکی دیگر وابستگان کے لیے سوشل میڈیا پر انٹرنیٹ کی مدد سے پروگرامز سے براہِ راست استفادہ اور منسلک رہنے کی سہولت میسر رہی۔لاکھوں، کروڑوں لوگ اس سے مستفید ہوئے۔

11۔5نومبر کے اجتماع میں تشریف لانے والے حضرات ادارہ کے ساتھ ملحق ساداتِ عظام کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضری دیتے رہے۔درجات میں بلندی کے لیے دعا اور فاتحہ خوانی کرتے رہے۔

12۔ساڑھے دس بجے صبح مقررہ وقت پر محفل ذکر کی نشست کا آغاز کر دیا گیا اور 12:15 تک یہ محفل جاری رہی۔اس کے بعد لنگر اور نماز کا وقفہ ہوا۔لنگر کے لیے حاضرین کو دعوت دی گئی اور یہ لنگر آخری نشست کے اختتام تک جاری رہا۔

13۔مین گیٹ کے عقب میں سڑک کنارے شاہ جی قبلہ کی تصانیف۔قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کا ایک بڑا اسٹال لگایا گیا جہاں کتب کی خرید کا سلسلہ شام تک جاری رہا۔

14۔کسی ناگہانی واقعہ سے بچنے اور احتیاط کے لیے سیکورٹی پلان ترتیب دیا گیا اور ہر شخص کو چیکنگ کے بعد مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔

15۔نقابت کے فرائض وقفے وقفے سے موقع کی مناسبت سے حافظ شیخ محمد قاسم صاحب، علامہ مفتی لیاقت علی صاحب اور صفدر علی محسن صاحب سرانجام دیتے رہے اور مہمانانِ گرامی کو خوش آمدید کہنے کے علاوہ سامعین کو ان کا تعارف بھی کرواتے رہے۔

16۔حافظ شیخ محمد قاسم صاحب جو کہ ادارہ ہذا کے ڈپٹی ڈائرکٹر اور شاہ جی قبلہ کے خاص طور پر منظورِ نظر ہیں۔تقریب کے تمام انتظامات کا جائزہ لیتے رہے اور اپنی ٹیم کے رفقاء اور منتظمین کو ہدایات دیتے رہے اور معزز مہمانوں کو سٹیج پر ان کی مخصوص جگہ پر بٹھاتے رہے۔حافظ قاسم صاحب ماشاء اللہ شاہ جی کی دعاؤں کی برکت سے ہرفن مولا ہیں۔ہر قسم کا کام، ڈیوٹی اور شاہ جی کی طرف سے احکامات کو بطریقِ احسن اور نہایت نفاست اور سلیقہ مندی سے انجام دینے کا قرینہ خوب جانتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے شاہ جی کو قاسم نعمت کے طور پر دیا ہے۔اللہ پاک قاسم صاحب کی عمر دراز فرمائے اور ان کو صحت مند رکھے۔ان کے علم، عمل، عمر، رزق میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔

17۔شاہ جی نے ذکر کی محفل میں اپنی تربیتی گفتگو کے دوران ارشاد فرمایا کہ میں بیٹے قاسم سے بہت خوش ہوں۔وہ جس عزم اور ولولے سے قرآن اور دین مبین کے لیے کام کر رہا ہے۔بہت اچھے سلیقے سے بہت اچھا کام کر رہا ہے۔خلوصِ نیت اور محبت سے کر رہا ہے۔اس نے قرآنی اوراق پر رنگین حاشیے نہیں لگائے بلکہ قرآن کی تعلیم کو خاص وعام تک پہنچانے کا صحیح حق ادا کیا ہے۔میری طرف سے قاسم کو ایک لاکھ روپیہ گفٹ ہے۔جب چاہے مجھ سے آ کر لے لے۔

18۔محفلِ ذکر اور تقسیمِ اسناد کی تقریب میں حسبِ ضرورت محبت وعشق کی مستی میں حیدر حیدر کی صدائیں گونجتی رہیں۔

19۔یہ پروقار تقریب ہر لحاظ سے خالصتاً روحانی تھی۔کسی سیاسی شخصیت یا حکومتی نمائندے کو دعوت نہ دی گئی۔تمام حاضرین، سامعین اور خصوصی طور پر معزز مہمانانِ گرامی مذہبی اور روحانی جذبے کے عکاس تھے۔

20۔نظم وضبط (Discipline) کے لحاظ سے اجتماع کی تمام سرگرمیاں قابلِ تحسین، قابلِ داد اور نہایت تسلی بخش تھیں۔

21۔جن 51 علمائے کرام کی دستار بندی ہوئی۔شاہ جی نے ان سے فرمایا کہ جب تک آپ قرآن مجید خود اپنے ہاتھوں سے نہیں لکھیں گے، آپ کو اسناد نہیں دی جائیں گی اور ان سب طالب علم علمائے کرام نے خود اپنے ہاتھ سے الحمد سے لے کر الناس تک قرآنِ مجید لکھنے کی سعادت حاصل کی اور وہ سٹیج کی جانب ایک میز پر پڑے ہوئے تھے۔قبلہ شاہ جی نے فرمایا کہ پہلے ان کے ہاتھ چوموں گا پھر وہ قرآن پاک ان کو واپس کروں گا۔شاہ جی نے فرمایا کہ اس طرح قرآن پاک لکھنے سے فیوض وبرکات اور اجر الگ سے ان کو حاصل ہوگا۔شاہ جی کی اعلیٰ ظرفی اور محبت کہ وہ قرآن مجید لکھنے کی وجہ سے اتنے عالی مرتبت ہو کر اپنے شاگردوں کے ہاتھ چوم رہے ہیں۔اس سے زیادہ سعادتمندی اور خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔اللہ پاک ان خوش نصیب طالب علم علمائے کرام کے علم، عمل، عمر اور صحت میں مزید رفعتیں اور برکتیں عطا فرمائے۔آمین!

22۔علمائے کرام عماموں اور ایک جیسے لباس میں ملبوس سٹیج کے سامنے ترتیب سے بیٹھے عجب بہار پیدا کر رہے تھے۔ان کی شخصیت میں وقار، حسن تمکنت، وجاہت اور مذہبی رنگ کا عنصر نمایاں تھا۔انہی کے بارے میں اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

انشاء اللہ یہی طالب علم اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اسلام اور دین مبین کے فروغ اور آبیاری کا فریضہ سرانجام دیں گے۔

ادارہ تعلیمات اسلامیہ زندہ باد

فیضانِ سید ریاض حسین شاہ پائندہ باد

بقیہ: محبتِ رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ کا کروڑ ہا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نبی آخر الزماں حضور اکرم ﷺ کی امت میں پیدا کیا ہے۔اور اس پر ایک احسان یہ کہ ہماری نسبت حضور ﷺ سے عشق کرنے والوں سے جوڑ دی۔ورنہ کتنے لوگ ہیں جو مسلمان کہلانے کے دعوے دار تو ہیں لیکن ان کے دلوں کے ظروف الفت نبی ﷺ کی کیفیات سے خالی ہیں۔

اگر کسی کو حضور نبی کریم ﷺ، اہل بیت اطہار اور صحابہ اکرام سے محبت کی توفیق نصیب ہوئی ہے تو اسے اللہ کی اس نعمت کا دل سے شکر ادا کرنا چاہیے۔۔۔۔۔ایسا خوش قسمت انسان ہمیشہ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھے کہ مجھ گنہگار کا دل بھلا اس قابل کہاں تھا کہ اس میں محبوب کبریا کی محبت اُتر آئی۔۔۔۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

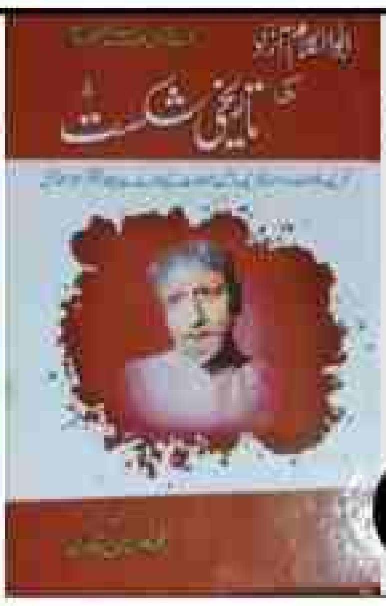

''ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست''

مرتب: محمد جلال الدین قادری

رشحات وتاثرات: ڈاکٹر منظور حسین اختر

زیر نظر کتاب ''ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست'' دراصل تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے بارے ایسے حقائق پر مبنی ہے کہ جو عوام الناس کی آنکھوں سے آج تک اوجھل رہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1980 میں مکتبہ رضویہ نے شائع کی جس پر اس وقت کے جید علماء کرام و دانشوروں نے اپنے قیمتی تاثرات بھی پیش کئے۔ مثلا مولانا تقدس علی خان، سید الطاف علی بریلوی، مولانا فضل قدیر ندوی، پروفیسر عبدالسلام خورشید (پنجاب یونیورسٹی)، حمید راعی، اللہ بخش یوسفی، سمیع اللہ قریشی، نذیر نیازی، جیسے معتبر نام شامل ہیں۔ یہ تاثرات موجودہ ایڈیشن میں کتاب کا حصہ بنا دیے گئے ہیں جن سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور شعبہ صحافت کے سابق صدر جناب عبدالسلام خورشید فرماتے ہیں:

''میں نے محمد جلال الدین قادری صاحب کا مرتبہ کتابچہ بعنوان ''ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست'' پڑھا ہے اور اس سے بعض ایسی معلومات اخذ کی ہیں جن سے پہلے واقف نہیں تھا۔ تاریخ کے سب پہلو منظر عام پر آنے چاہیئں اور سب نقطہ ہائے نگاہ بھی کیونکہ ان سب کے مطالعہ کے بعد ہی تاریخی واقعات پر کوئی آراء قائم کی جاسکتی ہے''۔

(مراسلہ 16۔ اگست 1980 از لاہور)

اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین کی آنکھوں سے بیجا عقیدت کا پردہ فاش ہوتا ہے کہ بعض نام نہاد علماء فقط اپنے مفادات کی خاطر عوام کو کس طرح گمراہ کرتے ہیں اور تاریخی حقائق چھپاتے ہیں۔

عبداللطیف سیٹھی اپنے ایک مضمون میں ایسے ہی نام نہاد علماء کے بارے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ لوگ ہر مسئلہ کے الجھاؤ کے اندر ایک نیا الجھاؤ پیدا کرتے رہتے ہیں اور بڑی شدو مد سے اسے دین کی خدمت سمجھتے ہیں۔ جمعیت علمائے ہند اور اب جمعیت علمائے اسلام انڈین نیشنل کانگریس کے طرفدار اور ورکرز تھے۔ پاکستان کی تحریک کے حق میں حصہ لینے والوں کو گمراہ خیال کرتے تھے اور کانگریس کے حامی تھے۔ گاندھی نہرو وغیرہ کو اپنا سیاسی لیڈر اور قومی راہنما تسلیم کرتے تھے۔ مسٹر جناح کو سرکاری آدمی سمجھتے تھے اور مسلم لیگ کو انگریزوں کی بنائی ہوئی جماعت خیال کرتے تھے۔ اس طرح تقسیم ہندوستان کو اسلامی ضرورت نہ سمجھتے تھے''۔

مولانا ابوالکلام آزاد تحریک خلافت و ترکِ موالات سے قبل ہندو مسلم اتحاد کے خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ ''جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لئے قرآن کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا راہنما بنائے وہ مسلمان نہیں بلکہ شرک فی صفات اللہ کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم ہے اس لئے مشرک ہے۔ اسلام اسے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کے پیروؤں کو اپنے پولیٹیکل پالیسی قائم کرنے کیلئے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے۔ ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں''۔ (الہلال 19 دسمبر 1912، ''اقبال اور جدید دنیائے اسلام'' حاشیہ ص 280)

اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد پہلے پہل قومیت کے تصور کو بھی خلاف اسلام سمجھتے تھے:

''آج دنیا قوم اور وطن کے نام میں جو تاثیر رکھتی ہے مسلمانوں کے لئے وہ اثر صرف اسلام یا خدا کے لفظ میں ہے۔ یورپ میں نیشن کا لفظ کہہ کر ایک شخص ہزاروں دلوں میں حرکت پیدا کرسکتا ہے لیکن آپ کے پاس اس کے مقابلہ میں اگر کوئی لفظ ہے تو خدا یا اسلام ہے۔

(الہلال 23۔ اکتوبر 1912، بحوالہ ''اقبال اور جدید دنیائے اسلام'' حاشیہ ص:270)

لیکن شومئے قسمت کہ تحریک ترک موالات کے دنوں میں ان کے افکار یک لخت بدل گئے وہ کہنے لگے:

''مسلمانوں کو اپنے حقوق کے تحفظات کے لئے حکومت برطانیہ کی طرف نہیں بلکہ اپنے برادران وطن کی طرف دیکھنا چاہیئے۔ ان سے بدگمان نہیں رہنا چاہیئے بلکہ جوق در جوق کانگریس میں شریک ہوجانا چاہیئے۔ کانگریس کے ہاتھوں میں ان کے حقوق بالکل محفوظ ہیں۔ وہ کانگریس میں اس قدر گھل مل گئے تھے کہ 1941 اور 1942 میں یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ آیا ہندوؤں کے علاوہ کسی اور کی نمائندگی بھی کرتے ہیں یا نہیں؟

(بحوالہ ''اقبال اور جدید دنیائے اسلام'')

فتویٰ بدلنے کی وجہ کیا تھی شاید جناب عبداللطیف سیٹھی کے الفاظ ہماری راہنمائی فرمادیں:

''کچھ علماء کو کانگریس کی جانب سے تنخواہ اور خرچ دیئے جانے کا ذکر ملتا ہے جیسے یامین خان، لاہور کے ایک جید عالم دین سے جو کانگریسی سکول کے نیشنلسٹ مسلمان تھے ایک شخص نے ایک مرتبہ پوچھا کہ آیا کانگریس کی طرف سے انہیں کچھ روپیہ ملتا رہا ہے کہ نہیں؟ انہوں نے جواباً کہا کہ ہاں جیسے ایک بڑی سیاسی جماعت دوسری چھوٹی سیاسی جماعت کو خرچ دیتی ہے ان کی انجمن کو بھی روپیہ کانگریس سے ملتا تھا اس پر سوال کرنے والے نے کہا مولوی صاحب! وہ ہندو آپ کو مسلمانوں کا مخالف سمجھ کر آپ کو رشوت دیتے تھے؟ اس پر مولوی صاحب خاموش ہوگئے۔ اگرچہ ان کا سیاسی پرنالہ وہیں رہا جہاں پہلے تھا''۔ (سیٹھی عبد اللطیف مضمون ''پاکستان کے ناشکرے اور بے وفا مسلمان'' روزنامہ نوائے وقت لاہور، 26 جون 1982)

قارئین کرام! یہ تھی چند مثالیں جو علامہ محمد جلال الدین قادری کی اس کتاب سے آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر کی گئیں۔ تفصیل آپ اس کتاب میں پڑھ سکتے ہیں۔

ادارہ پاکستان شناسی لاہور نے خوبصورت انداز میں جدید ایڈیشن 2022 میں شائع کیا ہے۔ کتاب 185 صفحات پر مشتمل ہے جس پر قیمت 300 روپے درج ہے۔